جدید طبّی مسائل

کا

شرعی حل

مصنّف

مُفتی صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمّد زبیر الازہری

جدید طبی مسائل کا شرعی حل

مصنوعی اعضاء، جانوروں کے اعضاء، انسانی اعضاء کی پیوندکاری
انتقال خون، پوسٹ مارٹم، روزہ میں انجکشن، الکحل والی دواؤں کے
احکامات شریعت کی روشنی میں

○ مصنف ○

مفتی صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر الازہری

جماعت اہل سنت پاکستان
جامع مسجد مائی خیری فقیر کا پڑ حیدر آباد

نام کتاب	-----	جدید طبی مسائل کا شرعی حل
مصنف	-----	صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر
زیر اہتمام	-----	قاری عبدالعزیز، ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت
کمپیوٹر کمپوزنگ	-----	یاسر کمپیوٹرز، ۳/۵۷، رابعہ اسکوائر حیدر آباد
اشاعت	-----	اول
سن اشاعت	-----	۱۹۹۶ء / ۱۴۱۶ھ
تعداد	-----	ایک ہزار
سائز	-----	۲۳x۳۶=۱۶
صفحات	-----	۸۸
ناشر	-----	جماعت اہل سنت پاکستان حیدر آباد
ہدیہ	-----	
طابع	-----	ریئل پرنٹرز، کراچی فون نمبر : 2620444

ملنے کا پتہ

۱۔۔۔جماعت اہل سنت، جامع مسجد نور، ریشم بازار حیدر آباد

۲۔۔۔رکن الاسلام جامعہ مجددیہ آزاد میدان ہیر آباد حیدر آباد۔

۳۔۔۔اسلامیہ کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ

۴۔۔۔مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

۵۔۔۔مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

۶۔۔۔مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ، کراچی

انتساب

ملک المدرسین، فخرالمناطقہ، فقیہ العصر، جامع معقول و منقول، واقف فروع و اصول، عالم نبیل، فاضل جلیل استاذی و استاذالاساتذہ حضرت علامہ مولانا حافظ عطا محمد صاحب بندیالوی چشتی گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ

کے نام

جن کے چشمہ علم و حکمت نے جہاں سیکڑوں نامور علماء، فقہاء، خطباء، مناظرین، محدثین اور مدرسین کو فیضیاب کر کے علم و عرفاں کا ایک گلشن آباد کر دیا وہاں اس ذرہ بے مقدار کو بھی اپنے بے پایاں کرم سے نوازتے ہوئے اس کے قلب و جگر کو بھی شعور و آگہی کی خوشبوؤں سے مہکا دیا۔

ابوالخیر محمد زبیر

فہرست

ابتدائیہ

میرے استاذ محترم حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو صرف ایک عالم ہی نہیں بلکہ عابد و عارف بھی ہیں' سلف صالحین کا ایک بہترین نمونہ ہیں اور میرے والد گرامی اور مرشد نامی قطب وقت مفتی اعظم حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی قائم کردہ سندھ کی عظیم دینی درسگاہ رکن الاسلام جامعہ مجددیہ کے بانی اراکین میں سے ہیں ان کی طبیعت ناساز ہوگئی' پاکستان بلکہ ایشیا کے نامور سرجن ڈاکٹر ادیب رضوی نے بتایا کہ ان کے دونوں گردے بے کار ہوگئے ہیں اگر کسی کا گردہ لگادیا جائے تو ان کی جان بچ سکتی ہے لیکن کسی کا گردہ کیسے لگایا جائے ....؟ علماء تو اس کو ناجائز بتاتے ہیں' فقیر کے کتب خانہ میں اس موضوع پر چند علماء کی کتب تھیں فوراً ان کو دیکھا بالخصوص مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب "انسانی اعضاء کی پیوندکاری" اور علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر تفصیلی مضمون پڑھا اور ان دونوں حضرات نے اس کے ناجائز ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے اس کو دیکھ کر بڑا افسوس بھی ہوا اور تعجب بھی ہوا کہ اسلام میں جس انسانی جان کی حرمت و عزت خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے ان علماء کی نظر میں یہ بے وقعت شی ہے ہم پر چوں کہ بیت رہی تھی اس لیے انسانی جان کی قدروقیمت کا ہمیں زیادہ احساس ہوا اور وہ بھی ایک عالم و عارف کی جان جس کی زندگی سے ہزارہا مردہ دلوں کی زندگی وابستہ ہوتی ہے ان کی بیماری نے اس علاج کی اہمیت میں مزید اضافہ کردیا جب اس موضوع پر غور و خوض کرنا شروع کیا تو بہت سی آیات' احادیث اور فقہاء کے اقوال سامنے آئے جنہوں نے اس علاج کے جواز کو روز روشن کی طرح واضح کردیا ان دلائل کو اور مانعین کے دلائل کے جوابات کو

صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے اس کو کتابی شکل دے دی تاکہ ڈاکٹر حضرات اس طرف سے مطمئن ہو کر مخلوق خدا کی خدمت میں ہمہ تن متوجہ ہو جائیں اور اللہ کے بندوں کی جانیں بچا کر ان کو نئی زندگیاں عطا کر کے دونوں جہاں میں سرخرو ہوں اور دارین میں رب کی رضا اور خوشنودی سے سرفراز ہوں اس میں مزید چند جدید طبی مسائل کا بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں حل پیش کر دیا ہے تاکہ عوام کے لیے یہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کا باعث بن سکے۔

جماعت اہل سنت حیدر آباد کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا قاری عبدالعزیز صاحب ان کے رفقاء اور حاجی منصور الٰہی صاحب اور حاجی صبور احمد صاحب لائق تحسین اور قابل تبریک ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون فرما کے اجر عظیم حاصل کیا اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے ——— آمین

یارب العالمین !

میری اس حقیری کوشش کو اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما۔

یا ارحم الراحمین !

میری اس حقیر کوشش کے سبب تیرے جن جن بندوں کی مشکلیں آسان ہوں اور جن جن کو نئی نئی زندگیاں ملیں ان کے صدقہ میری قبر اور حشر کی مشکلیں آسان کردے اور مجھے حیات ابدی سے سرفرازی عطا کردے۔

یا اکرم الاکرمین !

میری اس ادنیٰ سی کاوش کے سبب تیرے جن جن بندوں کو آنکھیں مل جائیں جن کی تاریک دنیا روشن ہو جائے اس کے صدقہ عصیان کی ظلمتوں اور گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے میرے دل کو اپنی عفو و مغفرت اور لطف و رحمت کے نور سے

روشن فرمادے۔

یا غیاث المستغیثین !

حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو شفائے کاملہ اور صحت عاجلہ سے سرفراز فرماکے ان کے علمی اور روحانی فیض سے اپنے بندوں کو تادیر مستفیض ہوتے رہنے کا موقعہ عطا فرمادے۔

ابوالخیر محمد زبیر

سجادہ نشیں' آستانہ عالیہ رکنویہ محمودیہ
مفتی و شیخ الحدیث' رکن الاسلام جامعہ مجددیہ
آزاد میدان ہیر آباد حیدر آباد
تاریخ ۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ ۱۷ر فروری ۱۹۹۶ء' بروز ہفتہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ﴾

اعضاء کی پیوند کاری کی تین صورتیں ہیں......

۱۔۔ مصنوعی اعضاء=== یعنی کسی بھی دھات یا لکڑی اور پلاسٹک یا کسی بھی مصالحہ کے مصنوعی اعضاء بنا کر انسانی جسم میں لگا دینا۔

۲۔۔ جانوروں کے اعضاء=== دوسری صورت یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء ضرورت کے وقت انسانی جسم میں لگا دیئے جائیں۔

۳۔۔ انسانی اعضاء=== تیسری صورت یہ ہے کہ مردہ یا زندہ آدمی کے اعضاء کسی دوسرے آدمی میں لگا دیئے جائیں۔ تینوں صورتوں کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کی جاتی ہے

مصنوعی اعضاء

اعضاء کی پیوند کاری کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ کسی معذور اور بیمار کو جس عضو کی ضرورت اور حاجت ہو وہ عضو کسی سونے چاندی پیتل الغرض کسی بھی دھات یا کسی مسالے مثلاً پلاسٹک اور لکڑی وغیرہ کا بنا کر لگایا جاسکتا ہے' یہ صورت متقدمین اور متاخرین علماء اور فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔

دلیل

دلیل یہ حدیث مبارک ہے.....

عن عبدالرحمن بن طرفةَ ان جدّہ عرفجه بن اسعد قطع انفه یومَ الکلاب فاتخذ انفا من ورق فانتن علیه فامرہ النبی ﷺ ان یتخذ انفا من ذھب۔

(جامع ترمذی' سنن ابوداوٗد' سنن نسائی' مشکواۃ)

ترجمہ :۔ حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ کہتے ہیں کہ ان کے دادا عرفجہ بن اسعد کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی انہوں نے چاندی کی ناک بنواکر لگوالی اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوگیا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت یعنی جب کسی کا کوئی عضو ضائع یا بے کار ہوگیا ہو تو اس کی جگہ پر مصنوعی اعضاء لگانا جائز ہے حتیٰ کی حدیث کی رو سے ضرورت کے وقت سونے چاندی کے اعضاء لگانے کی بھی اجازت ثابت ہوگئی' چنانچہ اس حدیث کے تحت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں......

وقد روی من غیر واحد من اھل العلم انھم شددوا اسنانھم بالذھب و فی ھذا الحدیث حجۃ لھم۔

ترجمہ :۔ متعدد اہل علم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے دانتوں کو سونے کے ساتھ باندھا اور اس حدیث میں ان کے لیے دلیل ہے۔

ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں......

وبہ اباح العلماءُ اتخاذ الانف ذھبا و کذا ربط الاسنان بالذھب۔

ترجمہ :۔ اسی حدیث کی بناء پر علماء نے سونے کی ناک بناکر لگوانے اور سونے کے ساتھ دانتوں کو باندھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

پلاسٹک سرجری

آجکل ظاہری اعضاء بالخصوص چہرے کی پلاسٹک سرجری کا طریقہ بھی رائج ہوگیا ہے اس کے متعلق ہمارے موجودہ دور کے علماء کا اختلاف ہے' مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب زید مجدہ کی رائے گرامی یہ ہے کہ.....

کسی شخص کے چہرہ پر کوئی دھبے یا داغ وغیرہ ہوں اور چہرہ بالکل بگڑ نہیں گیا ہو تو محض خوبصورتی کے لیے پلاسٹک سرجری جائز نہ ہوگی البتہ اگر ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ کسی حادثہ وغیرہ کی وجہ سے اس کی شکل و چہرے میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہوجائے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے نہ جاسکتا ہو یا لوگوں نے اس وجہ سے اس سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہو تو ایسے شخص کو ایک اچھی صورت میں زندگی گزارنے اور لوگوں کے درمیان بلا تکلف آنے جانے کے لیے پلاسٹک سرجری کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

(ماہنامہ السعید' شمارہ ستمبر ۱۹۹۵ء مضمون پوسٹ مارٹم اور پلاسٹک سرجری کی شرعی حیثیت)

شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی صاحب زید مجدہ کی اس بارے میں رائے گرامی اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں.....

اول تو بلا ضرورت کی قید بیکار ہے کیوں کہ کوئی شخص بلا ضرورت پلاسٹک سرجری جیسا مہنگا علاج نہیں کراتا ضرورت کے وقت ہی کراتا ہے ثانیاً محض زیب و زینت کی بناء پر پلاسٹک سرجری کو شیطانی عمل قرار دینا بھی عجیب و غریب

اور عقل شکن جملہ ہے، جائز زیب و زینت کو آپ نے کس دلیل شرعی سے ناجائز قرار دیا.....؟ جب کہ فقہائے کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مستورات کو اپنے خاوند کو خوش رکھنے کے لیے بناؤ سنگھار کرنا اور زیب و زینت کو اختیار کرنا کار ثواب ہے، بناء بریں زیب و زینت ہی کے لیے اپنے خاوند کو خوش کرنے کی نیت سے چہرہ کے بدنما داغوں، دھبوں اور مسوں کو ختم کرنے لیے پلاسٹک سرجری کرانا شیطانی عمل اور موجب لعنت ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ کارثواب اور مستحب قرار پائے گا۔

(ماہنامہ رضوان)

دونوں علماء کی رائے آپ کے سامنے آگئیں اس سلسلہ میں احقر علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدہ کی رائے گرامی سے اس حد تک متفق ہے اور ان کی تائید کرتا ہے کہ داغ دھبے مسے مہاسے یا چیچک وغیرہ کے ذریعہ جو چہرہ پر بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے اس کا دور کرنا بھی ضرورت شرعیہ اور حاجت شرعیہ کے تحت آئے گا اس کے لیے بھی پلاسٹک سرجری جائز ہوگی جس طرح کسی کا بالکل کوئی عضو نہ رہے یا کسی حادثہ کی وجہ سے بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہوجائے اس وقت پلاسٹک سرجری جائز ہوتی ہے اسی طرح ان صورتوں میں بھی پلاسٹک سرجری جائز ہوگی۔

لیکن فقیر حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب زید مجدہ کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ "بلا ضرورت" کی قید ہی بے کار ہے کیوں کہ آج کل فیشن ایبل گھرانوں اور دولت مند خاندانوں کی بوڑھی خواتین بغیر کسی بیماری کے بلا ضرورت صرف اپنے بڑھاپے کو چھپانے کے لیے اور ساٹھ سال کی عمر میں پھر سے پندرہ سالہ دوشیزہ نظر آنے کے لیے بھی پلاسٹک سرجری کرا رہی ہیں جو بداہتا بلا ضرورت کے تحت آئے گا اور یقیناً ناجائز ہوگا خواہ وہ اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لیے کریں یا اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے ایسا کریں بہرحال یہ قرآن و حدیث کی منشاء کے خلاف ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے۔

فقیر کی اس رائے کی تائید اردن کے ایک بہت بڑے عالم اور مفتی شیخ محمد سعید صاحب کے اس فتوے سے ہوتی ہے جو حال ہی میں پاکستانی اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ انہوں نے محض خوبصورتی کے لیے پلاسٹک سرجری کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (جنگ کراچی جنوری ۱۹۹۶ء)

دلیل اس سلسلہ میں ہماری دلیل وہی مندرجہ بالا حدیث عرفجہ ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے صحابی کو ان کی ناک کٹ جانے پر سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی حالانکہ بغیر ناک کے بھی اچھا کام چل رہا تھا ان کو سانس لینے میں کوئی پریشانی یا تکلیف نہیں تھی لیکن اس کے باوجود چونکہ چہرہ بدنما لگ رہا تھا اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک لگانے کا حکم فرمایا جس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہر وہ چیز جو چہرہ کی بد نمائی کا باعث بنے خواہ کسی حادثہ کی وجہ سے چہرہ کا بگاڑ ہو یا دانے پھنسی مہاسے کسی قسم کے دھبے وغیرہ یا کسی بھی بیماری کی وجہ سے چہرہ میں کوئی بدنمائی اور بگاڑ پیدا ہو گیا ہو تو اس کے دور کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری جائز ہو گی محض حسن اور زیبائش کے لیے "بلا ضرورت" پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہو گی اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے.......

﴿ولامرنهم فليغيرن خلقَ الله﴾ (سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۹)

ترجمہ:۔ اور ضرور انہیں حکم دوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدل دیں۔

یہ شیطان کا قول ہے جو قرآن میں نقل کیا گیا کہ وہ لوگوں کو ان کی بنائی صورتیں بدلنے کا حکم دے گا' اس آیہ مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ اسماعیل ابن کثیر نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کو بخاری و مسلم اور ترمذی نے بھی چند الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ نقل کیا ہے وہ حدیث مبارک یہ ہے.....

لعن الله الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله عزوجل (تفسیر ابن کثیر جلد ا' ص ۸۸۰)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر اور چہرہ کے بال نوچنے والی اور نچوانے والی عورتوں پر اور حسن و زیبائش کے لیے

(دانتوں کے درمیان) کشادگی پیدا کرنے والی' اللہ کی
بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کرنے والی عورتوں پر۔

آیہ مبارکہ کی تفسیر میں اس حدیث مبارک کے لانے اور اس حدیث مبارک میں "للحسن" کی قید کے اضافہ سے دو باتیں ثابت ہو گئیں۔

اول پہلی یہ کہ تغیر خلق مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ وہ تغیر خلق ممنوع ہے اور شیطانی فعل ہے جو بلا ضرورت محض للحسن ہو یعنی صرف آرائش و زیبائش اور فیشن کے لیے ہو اور وہ تغیر خلق جو بلا ضرورت نہ ہو بلکہ کسی حاجت اور ضرورت کے تحت ہو وہ ممنوع نہیں جیسا کہ حدیث عرفجہ میں سونے کی ناک لگا کر "تغیر خلق" کی اجازت دے دی گئی ————
اسی طرح کسی حادثہ یا بیماری وغیرہ کی صوری میں جو چہرہ پر داغ دھبے پیدا ہو جائیں جو چہرہ کی بدنمائی کا باعث ہوں وہاں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ تغیر خلق جائز ہو گا جب کہ بڑھاپے کو چھپانے کے لیے اور نوجوان نظر آنے کے لیے محض فیشن اور حسن کی خاطر بلا ضرورت پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہو گی۔

ثانی

اور دوسری بات یہاں سے یہ بھی ثابت ہو گئی کہ زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی بھی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور جائز دوسری مذموم اور ناجائز' وہ زیب و زینت اور آرائش و جمال جس میں تغیر خلق نہ ہو وہ شریعت میں محمود' پسندیدہ اور جائز ہے جیسے کہ مہندی' تیل' کنگھی اور مختلف قسم کے صابن' لوشن' کریمیں اور ہر قسم کے عطریات وغیرہ یہ سب جائز ہیں اور یہی زیب و زینت ہے جو بیوی کو اپنے شوہر کی رضا و خوشنودی کے لیے کرنا کار ثواب ہے' اسی کے لیے ارشاد رب العزت ہے......

﴿قل من حرمَ زينةَ اللهِ التى اخرج لِعبادہ﴾

(سورہ اعراف آیت نمبر ۳۲)

ترجمہ:۔ آپ فرمادیجئے کہ کون ہے وہ جس نے اللہ

پیدا کی ہے۔

اور اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے .....

ان اللہ جمیل و یحب الجمال۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان ص ۱۴۷)

ترجمہ :۔ بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔

اور وہ زیب وزینت اور آرائش وجمال جس میں "تغیر خلق" پایا جائے وہ ناجائز ومذموم اور اللہ اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، مندرجہ بالا حدیث اس پر شاہد ہے بالخصوص "**والمتفلجات للحسن**" یعنی حسن کی خاطر دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں پر لعنت فرماکر یہ بتادیا کہ صرف حسن کے لیے چہرہ میں اتنا سا تغیر بھی شریعت کو گوارا نہیں اور رب کو پسند نہیں کہ جب دانت صحیح ہوں تو بلا ضرورت ان دانتوں کے درمیان کشدگی پیدا کرلی جائے لہٰذا جہاں اس سے بڑا تغیر وتبدل ہوگا جیسا کہ آجکل پلاسٹک سرجری کے ذریعہ چہرہ کی ساری ساخت بدل دی جاتی ہے بھلا وہ شریعت میں کب روا اور جائز ہوسکتا ہے ہاں ضرورت کے تحت اس کی اجازت حدیث عرفجہ سے ہم ثابت کر آئے ہیں۔

زیب وزینت اور آرائش وجمال کی مدح میں ہم نے ابھی جو آیت وحدیث نقل کی ہے اس سے اور بیوی کو اپنے شوہر کے لیے زیب وزیت کرنا مستحب ہے اس فقہی جزئیہ سے حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب زید مجدہ نے ہر قسم کی زیب وزینت کو جائز بلکہ مستحب قرار دیدیا ہے حالانکہ ہم نے ابھی قرآن وحدیث سے ثابت کردیا کہ بعض حسن وجمال اور زیب زینت مذموم اور رب کے نزدیک ناپسندیدہ بھی ہیں وہ ہرگز ان آیات اور احادیث کے تحت داخل نہیں جس میں حسن وجمال کی تعریف کی گئی ہے اگر محمود اور مذموم دونوں قسم کی زینتوں میں فرق نہ کیا گیا تو آیات اور احادیث میں تعارض واقع ہوجائے گا اور ان کے درمیان تطبیق مشکل ہوجائے گی۔

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت اور حاجت کے وقت پلاسٹک سرجری جائز ہے جب کہ بلاضرورت محض زیب وزینت اور آرائش کے لیے پلاسٹک سرجری کراکے تغیر خلق کی

شریعت اجازت نہیں دیتی۔

جانوروں کے اعضاء

اعضاء کی پیوند کاری کی دوسری صورت یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء ضرورتمند انسانوں کے لگادیئے جائیں اس میں متقدمین اور متاخرین فقہاء اور علماء کا اتفاق ہے کہ "حلال اور مذبوح (شرعی طور پر ذبح شدہ) جانوروں کے اعضاء سے انسانی جسم میں پیوند کاری کی جاسکتی ہے اور یہ جائز ہے جب کہ ہڈی' کھر' سینگ' بال اور دباغت کے بعد کھال یہ سب چیزیں سوائے خنزیر کے ہر جانور کی پاک ہوتی ہیں لہٰذا خواہ جانور حلال ہو یا حرام مذبوح ہو یا مردار (جب کہ مردار کی اس پر کوئی رطوبت نہ ہو) ان چیزوں سے انسانی علاج اور ان کی انسانی جسم میں پیوند کاری بھی قطعاً جائز ہے۔

دلیل

اس پر دلیل یہ آیہ مبارکہ ہے.........

﴿والانعامَ خلقها لكم فيها دِفءٌ ومنافع و منها تاكلون﴾

(سورہ نحل آیت نمبر۶)

ترجمہ :۔ اور اس نے چوپایوں کو بھی پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرم لباس ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ان حلال جانوروں سے اعضاء کی پیوند کاری جیسے دیگر فوائد بھی ہم حاصل کرسکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے نفع اور فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے' فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے.........

وشعر الميتة غير الخنزير على المذهب وعظمها

وعصبها على المشهور وحافرها وقرنها الخاليه عن الدسومة طاهر۔

ترجمہ :۔ اور مردار کے بال سوائے خنزیر کے امام اعظم رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر اور اس کی ہڈی اور اس کے پٹھے مشہور روایت کے مطابق اور اس کے کھر اور اس کے سینگھ جو چکناہٹ اور چربی سے خالی ہوں وہ پاک ہیں۔

اسی عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین اس کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں.......

لما مر من حديث الصحيحين من قوله عليه السلام فى شاة ميمونة انما حرم اكلها وفى رواية لحمها فدل على ان ما عدا اللحم لايحرم فدخلت الاجزاء المذكورة وفيها احاديث اخر صريحة فى البحر وغيره۔

ترجمہ :۔ اس کی دلیل وہ حدیث جو صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ کی بکری کے لیے فرمایا کہ اس کا کھانا حرام ہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اس کا گوشت حرام ہے اس سے ثابت ہوا کہ گوشت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حرام نہیں ہے لہٰذا مذکورہ اجزاء اس میں داخل ہو جائیں گے (اور جائز قرار پائیں گے) اس میں بطور دلیل بحر نے اور بھی احادیث ذکر کی ہیں۔

اسی طرح عالمگیری میں ہے.......

قال محمد رحمة الله تعالی علیه ولاباس بالتداوی بالعظم اذاکان عظم شاة او بقرة او بعیر اوفرس او غیره من الدواب الا عظم الخنزیر والأدمی فانه یکره التداوی بهما۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ر ص ۳۴۵)

ترجمہ :۔ امام محمد رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جانوروں میں سے بکری یا گائے یا اونٹ یا گھوڑے یا دوسرے کسی بھی چوپائے کی ہڈی سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں سوائے خنزیر اور آدمی کی ہڈی کے کیوں کہ اس سے علاج مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا حکم عام حالات میں ہے جب کہ اضطرار و مجبوری کی صورت میں یعنی جب جان بچانے کے لیے کسی حلال اور مذبوح جانور کے اعضاء نہ مل رہے ہوں اور کسی حرام یا مردار جانور کے اعضاء لگانے یا اس کے ذریعہ علاج سے مریض کی زندگی بچ جانے کا کوئی ماہر حکیم یا ڈاکٹر یقین دلاتا ہو تو ایسی صورت میں حرام یا مردار جانوروں کے اعضاء سے بھی علاج اور پیوند کاری جائز ہو جائے گی۔

دلیل

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی یہ واضح آیہ مبارکہ موجود ہے..........

﴿انما حرم علیکم المیتة والدم و لحم الخنزیر و ما اُهلّ به لغیر الله فمن اضطُرّ غیر باغٍ ولاعادٍ فلا اثمَ علیه﴾

(سورہ بقرۃ آیت نمبر ۱۷۳)

ترجمہ :۔ اس کے سواء کچھ نہیں کہ اللہ نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیراللہ کا نام پکارا گیا ہو تو جو لاچار اور مجبور ہوجائے (لیکن) نہ (اپنی) خواہش سے کھائے اور ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں۔

فتاویٰ عالم گیری میں حالت اضطرار کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا.......

و یجوز للعلیل شرب الدم والبول و اکل المیتته للتداوي اذا اخبره طبیب ان شفاءه فیه و لم یجد في المباح ما یقوم مقامه۔

(فتاویٰ عا لگیری جلد ۵ر ص ۳۵۵)

ترجمہ :۔ اور بیمار کے لیے خون اور پیشاب اور مردار کا بطور دوا کھانا جائز ہے جب کہ معالج یہ بتائے کہ اس مریض کی شفاء اسی میں ہے اور اس وقت کوئی مباح چیز اس کے قائم مقام نہ مل رہی ہو۔

معلوم ہوا کہ اضطرار اور مجبوری کے وقت مندرجہ بالا شرائط کے تحت مجبور اور لاچار آدمی کے لیے حرام چیز سے نفع حاصل کرنا حلال ہوجاتا ہے لہٰذا اس اضطرار کی صورت میں خنزیر اور دیگر حرام جانوروں اور مردار کے اعضاء سے علاج اور انسانی جسم میں ان کی پیوندکاری جائز ہوجائے گی۔

انسانی اعضاء

پیوندکاری کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی زندہ یا مردہ انسان کا کوئی عضو لے کر کسی دوسرے شخص کے جسم میں لگادیا جائے' قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء کی روشنی میں یہ تیسری

صورت بھی مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے اور شریعت اسلامیہ میں چند قیودات کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے' ان چند شرائط اور قیودات کی تفصیل یہ ہے.......

ا۔۔۔ شدید ضرورت اور حاجت ہو یعنی کسی مریض کے لیے اس کے ماہر معالج کی یہ رائے ہو کہ اگر فلاں انسانی عضو اس کے لگا دیا جائے تو اغلب گمان یہ ہے کہ اس کی جان بچ سکتی ہے یا اس کو اس مرض سے نجات اور شفاء مل سکتی ہے اس کے علاوہ اس کی جان بچنے یا اس کی شفاء کا کوئی اور راستہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی جان بچانے کی خاطر یا اس کی شفاء کی خاطر کسی آدمی کا عضو لے کے اس کے لگانا جائز ہو گا۔

۲۔۔۔ اعضاء دینے والے کے لیے ماہر معالج کا یہ کہنا ہو کہ اس عضو کے دینے سے نہ یہ ہلاک ہو گا اور نہ اس کو کوئی شدید نقصان ہو گا' جیسے آجکل ڈاکٹر حضرات تمام ٹیسٹ مکمل کرنے کے بعد یہ رائے دیتے ہیں کہ اس شخص نے اگر اپنا ایک گردہ دے دیا تو نہ اس کی جان کو کوئی خطرہ ہے اور نہ ہی اس کو کوئی ضرر شدید لاحق ہو گا بلکہ اس کی صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا تو ایسی صورت میں اس کا گردہ لینا جائز ہو گا اور اگر اس میں اس کی جان کی ہلاکت ہو یا ضرر شدید ہو جیسے کوئی شخص دل یا اپنے دونوں گردے یا اپنی آنکھ یا ہاتھ پیر وغیرہ اپنی زندگی میں عطیہ کر دے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہو گا کیوں کہ ان صورتوں میں یا تو اس کی جان کی ہلاکت ہے یا ضرر شدید جب کہ یہ دونوں منع ہیں ہاں البتہ ان اعضاء کے لیے وصیت کر سکتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے یہ اعضاء لے لیئے جائیں تو یہ صورت جائز ہو گی کیوں کہ موت کے بعد ہلاکت اور ضرر شدید دوں چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جائے گی۔

۳۔۔۔ عضو دینے والا محض اپنی رضا اور خوشنودی سے اپنی زندگی میں اپنا کوئی عضو دے یا مرنے کے بعد یہ عضو لینے کی وصیت کر جائے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے تمام جائز ورثاء بھی اس عضو کے دینے پر راضی ہوں تو اس کا عضو لے کر کسی دوسرے انسان کے لگانا جائز ہو گا اور اگر اس کی رضا اور خوشنودی نہیں تو جبراً اس سے اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد اس کا کوئی عضو لینا جائز نہیں ہو گا اسی طرح اگر اس کے مرنے کے بعد اس کے جائز تمام ورثاء اس کا عضو دینے پر راضی نہیں ہیں تو اس صورت میں بھی مرنے کے بعد اس کا عضو لینا جائز نہیں ہو گا۔

۴--- یہ اعضاء کا لین دین رضاکارانہ طور پر ہو' اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ' ہاں اگر کہیں یہ صورت ممکن نہ ہو کوئی رضاکارانہ طور پر دینے والا موجود نہ ہو اور شدید ضرورت اور حاجت ہو تو اس صورت میں اس کا خریدنا بھی جائز ہو گا۔

دلیل اول

پہلی دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا یہ ایک متفقہ اصول ہے کہ "**الضرورات تبیح المحظورات**" کہ ضرورت ممنوعہ چیزوں کو جائز کر دیتی ہے اور یہ اصول قرآن کی اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے۔

﴿انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر و ما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغ و لاعاد فلا اثم علیه﴾

(سورہ بقرۃ آیت ۱۷۳)

ترجمہ:۔ اس کے سواء کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو' تو جو لاچار و مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ خواہش سے کھائے اور نہ ضرورت سے تجاوز کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

معلوم ہوا جب جان جا رہی ہو تو ضرورت کے وقت خنزیر کے گوشت اور مردار اور خون جیسی حرام چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے......

الضرورات تبیح المحظورات و من ثم جاز اکل المیتة عند المخمصة و اساغة اللقمة بالخمر و التلفظ بکلمة الکفر للاکراہ۔ (ص ۱۱۲)

ترجمہ:۔ ضرورتیں ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہیں اسی

لیے بھوک کے وقت مردار کا کھانا اور (جب لقمہ گلے
میں پھنس گیا ہو) اور پانی وغیرہ کچھ نہ ہو تو لقمہ کا
شراب کے ذریعہ حلق سے اتارنا اور جبرواکراہ کے
وقت کلمہ کفر کہنا جائز ہوگیا۔

اسی طرح گزشتہ اوراق میں ایک حدیث مبارک گزری کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ایک صحابی کو جن کی ناک کٹ گئی تھی سونے کی ناک لگانے کی اجازت دے دی حالانکہ مردوں کے لیے سونے کا استعمال حرام ہے اور اس وقت کوئی اضطراری حالت بھی نہیں تھی کہ اگر وہ سونے کی ناک نہ لگاتے تو ان کی جان کو کوئی خطرہ ہوتا بلکہ صرف ان کے علاج اور شفاء کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی معلوم ہوا کہ حاجت کی صورت میں بھی یعنی کسی مرض سے نجات اور شفاء حاصل کرنے کے لیے بھی جب اس کے علاوہ اور کوئی صورت شفاء کی ممکن نہ ہو حرام چیز حلال ہوجاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا مندرجہ بالا اصول **"الضرورة تبیح المحظورات"** کے تحت جائز ہوجاتا ہے چنانچہ درمختار میں ہے......

قیل یرخص اذا علم فیه الشفاء و لم یعلم
دواء اٰخر کما رخص في الخمر للعطشان و
علیه الفتوٰی

(درمختار)

ترجمہ :- کہا گیا ہے کہ جب اس میں شفاء کا گمان
غالب ہو (علم بہ معنی ظن غالب) اور کسی دوسری دواء
کا پتہ نہ ہو تو اس صورت میں رخصت دی جائے گی
جیسے پیاسے کو شراب پینے کی اجازت دی گئی ہے اور
اسی پر فتویٰ ہے۔

اور اسی کے تحت شامی میں ہے......

یجوز ان علم فیه الشفاء و لم یعلم دواء اٰخر (شامی)

ترجمہ :- (اور حرام سے علاج کرنا) جائز ہوگا اگر یہ
گمان غالب ہے کہ شفاء اسی حرام سے علاج میں ہے
اور اس کے علاوہ کسی دوسری دواء کا پتہ نہ ہو۔

لہٰذا یہاں بھی کسی مریض کی جان بچانے یا اس کو کسی تکلیف دہ مرض سے نجات دلانے کے لیے کسی دوسرے کا عضو لیکر اس کے جسم میں اس کی پیوند کاری کرنا "اگر حرام بھی ہو" تو اس ضرورت اور حاجت کے وقت مندرجہ بالا اصول کے تحت مذکورہ بالا آیہ شریفہ اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ حلال اور جائز ہو جائے گا اور اس وقت اس کی حرمت ختم ہو جائے گی۔

دلیل ثانی

دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا ایک یہ بھی اصول ہے کہ....

اذا تعارض مفسدتان روعي اعظمهما ضررا
بارتكاب اخفهما۔ (الاشباہ والنظائر' ابن نجیم' ص ۱۱۲)

یعنی جب دو برائیاں آدمی کو در پیش ہوں تو کم برائی
کو اختیار کیا جائے گا۔

اس کی مثال دیتے ہوئے محقق ابن نجیم فرماتے ہیں کہ جیسے کسی کے جسم میں ایسا زخم ہے کہ اگر وہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو اس زخم سے خون رسنے لگتا ہے اور اگر سجدہ نہیں کرتا تو خون نہیں رستا تو ایسی صورت میں اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور اشارہ سے سجدہ کرے کیوں کہ یہاں بھی دو برائیاں تھیں ایک نماز کا حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو نماز پڑھنا اور دوسری برائی تھی سجدہ کا چھوڑ دینا لیکن چونکہ سجدہ کا چھوڑ دینا بغیر وضو نماز کے مقابلہ میں ہلکی برائی ہے اس لیے یہاں ہم نے اس کو اختیار کر لیا اور سجدہ چھوڑ دیا اور اس کو اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم دیدیا لیکن سجدہ کر کے خون نکلنے کی وجہ سے حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

اسی طرح کسی مضطر کے پاس اپنی جان بچانے کے لیے صرف دو چیزیں ہیں ایک مردار

اور دوسرا کسی غیر کا مال تو ایسی صورت میں علامہ طحاوی' ابن سماعہ اور کرخی جیسے فقہاء کا مختار قول یہ ہے کہ مردار کھانا بڑی برائی ہے جب کہ کسی دوسرے کا مال کھالینا ہلکی برائی ہے لہٰذا اس کو اجازت دی جائے گی کہ وہ ہلکی برائی کو اختیار کرے یعنی مال غیر کھا کر جان بچالے لیکن اس وقت بڑی برائی یعنی مردار کھانے کی اس کو اجازت نہیں دی جائے گی۔

اسی طرح یہاں بھی اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں دو برائیاں ہیں ایک کسی مریض کی ہلاکت اور اس کی قیمتی جان کا ضیاع جب کہ دوسری برائی ہے کسی آدمی کی حرمت یا میت کی حرمت کی پامالی' ظاہر ہے کسی آدمی کی ہلاکت اور اس کی جان کا ضیاع یہ بہت بڑی برائی ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں چھوٹی برائی کو اختیار کرلیں گے یعنی حرمت آدمیت کی پامالی اگر بالفرض ہوتی ہے تو اس کو گوارہ کرلیں گے لیکن کسی جان کی ہلاکت جو بڑی برائی ہے اس کو ہرگز گوارہ نہیں کریں گے جس طرح مردار اور مال غیر میں سے اہون البلیہ کو اختیار کرکے دوسرے کا مال کھا کر جان بچانے کی اجازت دے دی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی دوسرے کا عضو لیکر جان بچانے کی اجازت دے دی جائے گی یعنی حرمت آدمیت و میت کی پامالی اور جان کی ہلاکت میں سے اہون البلیہ حرمت کی پامالی کو اختیار کرکے جان بچانے کی اجازت دیدی جائے گی اور جان کی ہلاکت جو بڑی برائی ہے اس کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

دلیل ثالث

شریعت مطہرہ کا ایک یہ بھی متفقہ اصول ہے کہ بڑے فائدہ کی خاطر چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دیا جائے گا' یہاں بھی دو فائدہ ہیں ایک فائدہ ہے کسی جان کا بچانا اس کو شفاء دینا اور دوسرا فائدہ ہے آدمیت اور میت کی تعظیم و تکریم' ظاہر ہے کسی جان کو بچانے اور اس کو شفاء دینے اس کو مصیبت سے نجات دلانے سے بڑا فائدہ کون سا ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک شعر کے دوسرے مصرعہ میں فرمایا۔

اور حفظ جان تو جان فروض غرر کی ہے

یعنی بڑے بڑے اہم فرضوں میں سے سب سے اہم فرض اور سب فرضوں کی جان کسی

جان کا بچالینا ہے کسی جان کی حفاظت سب فرضوں سے زیادہ اور اہم فرض ہے لہٰذا کسی دوسرے کا عضو لینے میں بالفرض اگر آدمیت اور میت کی تکریم اور تحریم ختم بھی ہوتی ہے تو ہونے دیں گے اس چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دیں گے لیکن بڑا فائدہ یعنی جان کی حفاظت اس کو ہر حال میں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تکریم آدمیت جیسے چھوٹے اور معمولی فائدہ کی خاطر حفظ جان جو "جان فروض غرر" ہے اس کو کسی صورت میں ترک نہیں کیا جائے گا، چنانچہ بحرالرائق میں لکھا ہے.....

لان ذالك تسبب في احياء نفس محترمة بترك تعظيم الميت فالاحياء اولى

(بحرالرائق جلد ۸، ص ۲۳۳)

ترجمہ :۔ کیوں کہ تعظیم میت کے ترک میں ایک محترم جان کو زندگی مل رہی ہے لہٰذا جان بچانے اور زندگی بخشنے کو ترجیح دی جائے گی۔

دلیل رابع

شریعت اسلامیہ کا ایک اصول یہ ہے کہ جب ایک چیز میں نفع اور نقصان کے دو پہلو ہوں لیکن نفع زیادہ ہو اور نقصان کم ہو تو نفع کو اختیار کرلیا جائے گا لہٰذا یہاں بھی ایک چیز ہے اور وہ ہے اعضاء کی پیوند کاری اب اس میں دو پہلو ہیں ایک نفع کا پہلو اور وہ ہے کسی کی جان کا بچ جانا یا کسی کو صحت اور شفاء حاصل ہو جانا اور دوسرا پہلو ہے نقصان کا اور وہ ہے کسی آدمی کا عضو لیکر آدمیت یا میت کی بے حرمتی کرنا لیکن چونکہ اس معاملہ میں جان کا بچ جانا یا کسی کو صحت مل جانا بہت بڑا نفع ہے لہٰذا اس نفع کو اختیار کرلیں گے اور کسی آدمی کا عضو لینے سے آمیت یا میت کی جو بے حرمتی ہوگی اس نقصان کے پہلو کو نظرانداز کردیں گے۔

مانعین کے اعتراضات

انسانی اعضاء کی پیوند کاری پر ہم نے ابھی جو چار دلائل ذکر کیئے ہیں اس پر مانعین یعنی

عدم جواز کا قول کرنے والے کچھ اعتراضات کرتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ان دلائل کا وہ رد کرتے ہیں' آیئے ذرا ان کے اعتراضات کا جائزہ لیں۔

اعتراض اول

پہلی دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ جو اس کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں.......

> ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہوجاتی ہے اس سے پیوندکاری کا جواز لازم نہیں آتا کیوں کہ جو شخص اعضاء کٹوا رہا ہے اسے کوئی ضرورت ہے نہ اضطرار تو کس بناء پر ایک ممنوع چیز اس کے لیے مباح ہوگی۔ (شرح صحیح مسلم' از غلام رسول سعیدی ج ۲' ص ۸۶۶)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ مثلاً وہ بیمار جس کو گردہ کی ضرورت ہے وہ تو مضطر ہے اور اس کو ضرورت ہے اسی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے دوسرے کا عضو لینا اس کو جائز ہو گیا اس مجبور ولاچار آدمی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے جس آدمی کا یہ عضو لے رہا ہے اس کی حرمت ختم ہوجائے گی جو شخص عضو دے رہا ہے اس کے لیے علیحدہ کسی دوسرے اضطرار کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

دیکھئے امام اعظم ابو حنیفہ' امام شافعی اور امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ قول ہے کہ کوئی حاملہ فوت ہوجائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا جائز ہے' اب یہاں اضطرار کی حالت بچہ کی ہے نہ کہ ماں کی' ضرورت بچہ کو ہے نہ کہ ماں کو لیکن چونکہ بچہ کی ضرورت ماں کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا ماں کا پیٹ چاک کرنا اس کی لاش کی بے حرمتی جو کہ اشد حرام فعل تھا وہ جائز ہو گیا حالانکہ ماں حالت اضطرار میں نہیں بلکہ وہ تو

مردہ ہے جہاں اضطرار اور عدم اضطرار کی بحث ہی نہیں کی جاسکتی تو ضرورت اور اضطرار ماں کو کو نہیں بلکہ صرف بچہ کو ہے اور اس کی وجہ سے پیٹ چاک ماں کا کیا جارہا ہے "یعنی ضرورت یہاں ہے اور حرمت وہاں ختم ہورہی ہے" اب میں معترضین سے کہتا ہوں جو جانبین میں اضطرار لازمی قرار دیتے ہیں وہ پہلے ماں میں اضطرار ثابت کریں پھر اس کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دیں حالانکہ اس کے تو وہ بھی قائل نہیں....! لہٰذا یہاں بھی ان کو عضو دینے والے کے اضطرار پر اصرار نہیں کرنا چاہیے جو آدمی بیمار ہے وہ مضطر ہے اور ضرورت مند ہے اور اس کی ضرورت جس دوسرے شخص کے ساتھ متعلق ہے اس کا عضو لینا اور اس کو اپنا عضو کٹا کر اسے دینا جائز ہو جائے گا اس جان بلب مریض کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے دینے والی کی حرمت ختم ہو جائے گی جس طرح بچہ کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے اس کی ماں کی لاش کی حرمت ختم ہو گئی تھی۔

اعتراض ثانی

دوسری دلیل کا رد کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں

> دو برائیوں میں سے کم برائی کو اختیار کرلینا چاہیے' گزارش ہے کہ اعضاء کو کٹوانا تو برائی ہے لیکن کسی ضرورت مند کو یہ اعضاء کاٹ کر نہ دینا سرے سے کوئی برائی ہی نہیں ہے کیوں کہ اس کا کسی انسان کو مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ ضرورتمندوں میں اپنے اعضاء تقسیم کرے بلکہ اپنے اعضاء کاٹ کر دینے سے روکا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور سے ظاہر ہے۔
>
> (شرح صحیح مسلم' علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ر ص ۸۶۶)

جواب

بے شک ''مطلقاً'' اعضاء کاٹ کر نہ دینا کوئی برائی نہیں بلکہ اس وقت اعضاء کا کاٹنا برائی لیکن جب اس کا تعلق کسی قیمتی جان کی ہلاکت سے ہو اور اس کے باعث ایک قیمتی جان ضائع ہو رہی ہو تو اب کاٹنا برائی نہیں ہو گا بلکہ نہ کاٹنا معیوب سمجھا جائے گا' اگلے اوراق میں ہم متعدد آیات اور احادیث پیش کر رہے ہیں جس سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام میں ایک انسانی جان کی کیا اہمیت اور کتنی قدر و قیمت ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود بغیر اپنا کوئی خاص نقصان کیئے کسی کی جان نہ بچانے والا کتنا برا ہے اور اپنی تنگی اور تکلیف برداشت کر کے دوسروں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہنے والا خدا کو کتنا پیارا اور محبوب ہے۔

اعتراض ثالث

تیسری دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ اس کا یوں رد فرماتے ہیں...........

> ''بڑے فائدہ کی خاطر چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دینا چاہیے لیکن یہاں اپنے اعضاء کو کٹوا دینا یا ان کی وصیت کرنا چھوٹا فائدہ نہیں بھاری نقصان ہے''

اسی طرح چوتھی دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں....

> ''جب ایک چیز میں نفع اور ضرر کے دو پہلو ہوں اور ضرر کم اور نفع زیادہ ہو تو نفع کو اختیار کر لینا چاہیے' اس قاعدہ کا اطلاق بھی یہاں صحیح نہیں کیوں کہ اس قاعدہ کے مطابق اول تو نفع اور ضرر ایک شخص کے لحاظ سے ہے اور جس معاملہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہاں دو الگ الگ شخص ہیں' ثانیاً یہاں اعضاء کٹوانے میں اس شخص کو نفع بالکل نہیں ہے سراسر نقصان ہے''

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ص ۸۶۷)

جواب

علامہ صاحب کا یہ فرمانا کہ یہاں چوتھا قاعدہ کا اطلاق صحیح نہیں اس سے میں متفق نہیں، فقیر کی نظر میں چوتھا قاعدہ کا یہاں مکمل طور پر اطلاق ہو رہا ہے کیوں کہ قاعدہ یہ نہیں کہ کسی ایک "چیز" میں نفع و ضرر کے دو پہلو ہوں تو نفع کو اختیار کیا جائے گا، بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی ایک "معاملہ" میں نفع و ضرر کے دو پہلو ہوں تو نفع کو اختیار کیا جائے گا---------- دیکھئے ابھی جو میں نے مثال عرض کی تھی اس میں ماں اور بچہ دو علیحدہ علیحدہ ذاتیں ہیں بچہ کا نفع ہے لیکن ماں کا نقصان ہے مگر چوں کہ معاملہ ایک ہے اور اس ایک معاملہ میں احیاء کا فائدہ اور نفع ہے جب کہ میت کی پامالی کا نقصان ہے لہٰذا اس نقصان کو نظر انداز کر دیا گیا اور نفع کو اختیار کر لیا گیا، معلوم ہوا کہ کسی ایک چیز میں نہیں بلکہ کسی ایک معاملہ میں نفع و ضرر کے پہلو ہوں تو وہاں نفع کو ترجیح ہوگی لہٰذا یہاں بھی نفع اور ضرر اگرچہ دو علیحدہ علیحدہ ذاتوں کے لحاظ سے ہیں لیکن ایک معاملہ میں ہیں اور وہ ہے اعضاء کی پیوند کاری کا معاملہ لہٰذا اس قاعدہ کا اطلاق اس پر بھی ہوگا اور نفع والے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔

اسی طرح علامہ صاحب کا یہ فرمانا کہ "اعضاء دینے میں بھاری نقصان ہے اور اس میں نفع بالکل نہیں" یہ بھی شرعی لحاظ سے بالکل غلط ہے کیوں کہ اپنے بھائی کی زندگی یا اس کے سکھ کی خاطر کچھ قربانی دینے کو اسلام میں "ایثار" کہا جاتا ہے اور اس صفت کو اپنانے والا خدا اور اس کے رسول کو محبوب ہوتا ہے وہ بے حد وحساب اجر و ثواب کے علاوہ اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرتا ہے جیسا کہ اگلے اوراق میں آنے والی آیات اور احادیث سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا لہٰذا جو شخص اپنا عضو دے کر اپنے بھائی کی جان بچا رہا ہے وہ ایثار جیسی اعلیٰ صفت سے متصف ہو کر "رضائے الٰہی" کی عظیم ترین نعمت سے سرفراز ہو رہا ہے یہ وہ دولت اور نعمت اس کو حاصل ہو رہی ہے جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں، دولتیں اور فائدے ہیچ ہیں، ایسی لازوال نعمت اور ابدی فائدہ اور دائمی نفع حاصل کرنے والے کے لیے یہ

کہہ دیناکہ اس کو کوئی فائدہ اور نفع نہیں بڑی تعجب خیز بات ہے آپ کہتے ہیں اس کو بھاری نقصان ہے میں کہتا ہوں اس کا اتنا بھاری اجر اور ثواب ہے کہ کل قیامت کے دن جب نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا تو اس وقت یہ ایک عمل اس کے نیکیوں کے پلہ کو بھاری کرکے اس کے لیے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا جیساکہ آئندہ اوراق میں حدیث ذکر کی جائے گی کہ ایک کتے کی جان بچانے کی وجہ سے ایک گنہگار عورت کی نجات ہوگئی تو پھر اشرف المخلوقات اور وہ بھی ایک (مسلمان) نبی کے امتی کی جان بچانے والا کیوں نہ بخشا جائے گا کیا دین و دنیا میں اس سے بڑا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے.....؟

مسئلہ کی اہمیت

آیئے ذرا قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ کسی کی جان بچانے کی کیا اہمیت ہے اور بچانے والے کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور کسی کی جان نہ بچانا کتنا برا فعل ہے 'گردہ دے کر کسی کی زندگی بچانے' اس کو سکھ اور آرام پہنچانے کی خاطر خود تکلیف برداشت کرنے والا خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں کتنا محبوب ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود کسی کی جان نہ بچانے والا کتنا مبغوض ہے۔

اس سلسلہ میں چند آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکے کہ اس اہم مسئلہ کو اسلام میں کتنی اہمیت حاصل ہے۔

قرآن کی روشنی میں

ا۔۔ارشاد پروردگار ہے.....

﴿ویؤثرون علی انفسهم و لو کان بهم خصاصته﴾

(پارہ نمبر ۲۸ر سورہ حشر آیت نمبر۹)

ترجمہ :- اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی مدح وستائش کی جارہی ہے جو دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھتے ہیں جو خود تکلیف اٹھا کر اپنے بھائیوں کو راحت اور آرام پہنچاتے ہیں، معلوم ہوا کہ گردہ جیسی چیز کی آدمی کو شدید حاجت ہوتی ہے جو لوگ اس کو بھی اپنے بھائیوں پر قربان کردیتے ہیں وہ اس آیت کے بموجب اللہ کے نزدیک پسندیدہ بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف فرمارہا ہے جو ایسی ضروری اہم اور محبوب چیز بھی اپنے دوسرے بھائیوں کو دے دیتے ہیں اور اپنے نفسوں پر دوسروں کو ایسی چیزوں میں ترجیح دیتے ہیں جس کی ان کے نفسوں کو اور ان کی اپنی جانوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اس آیہ مبارکہ کی رو سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائق تحسین اور قابل صد تعریف ٹھہرے جو اپنے بھائی کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے اس کی زندگی کو بچاتے ہوئے اپنا گردہ جس کی ان کو شدید حاجت ہوتی ہے وہ اپنے ضرورت مند بھائی کو عطیہ یا وصیت کردیتے ہیں وہ اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر اپنے بھائی کو ترجیح دے کر اللہ کے محبوب اور پیارے بن جاتے ہیں۔

۲۔۔۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا....

﴿و انا لکم ناصح امین﴾

(پارہ نمبر ۸ / سورہ اعراف / آیت ۶۸)

یعنی آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام آدمیوں کے ساتھ "خیر خواہی" کرنا یہ کار انبیاء ہے اور بہت اجر وثواب کا کام ہے، ذرا اندازہ کیجئے کہ کسی کی زندگی بچانے اور اس کی تاریک زندگی کو روشن کرنے سے زیادہ اس کے ساتھ اور خیر خواہی کیا ہوسکتی ہے لہٰذا جو شخص کسی اپنے مسلمان بھائی کو گردہ دے کر یا ان کی وصیت کرکے یہ عظیم خیر خواہی کا کام کرتا ہے وہ کس قدر اجر وثواب کا مستحق ٹھہرے گا اور خیر خواہی جیسے کار انبیاء کرنے کے باعث کس قدر رب کا قرب حاصل کرے گا اس کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔

۳۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.......

﴿من قتل نفساً بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعاً و من احياها فكانما احیٰ الناس جميعاً﴾

(پارہ ۶/ سورہ مائدہ/ آیت ۳۲)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا اس نے گویا سب لوگوں کو جلایا۔

اس آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر میں ہے.....

و قال مجاهد في رواية و من احياها اى انجاها من غرق اوحرق اوهلكة۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲/ ص ۸۰)

یعنی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ "ومن احیاہا" کے معنی یہ ہیں کہ کسی آدمی نے کسی کو غرق ہونے سے یا جلنے سے یا کسی بھی قسم کی ہلاکت سے بچالیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو بچالیا۔

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ حضرت مولانا احمد رضاخان صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں فرمایا...

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا تو اس نے گویا سب لوگوں کو جلایا

حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا...

> جس نے بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد پھیلانے کی سزاء کے بغیر ناحق کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے قتل کردیا سب لوگوں کو' جس نے اسے بچالیا تو گویا اس نے بچالیا سب لوگوں کو۔

مولانا احمد علی لاہوری اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں.....

> جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سواء کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے تو گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

ذرا غور فرمائیے کہ اسلام اور قرآن کی نظر میں ایک انسانی جان کی کسقدر اہمیت اور قدر وقیمت ہے کہ ایک جان کا بچانا پوری انسانیت کا بچانا' ایک کو زندگی بخشا پوری نوع انسانی کو زندگی بخشنا اور ایک کو جلانا پوری نسل انسانیت کو جلانا شمار کیا جارہا ہے اور ایک کو نہ بچاکر ہلاک کرنا پوری انسانیت کو ہلاک کرنا شمار کیا جارہا ہے' اصل میں بتانا یہ مقصد ہے کہ انسانی جان بڑی قیمتی چیز ہے اگر تم کسی انسانی جان کو بچانے کی قدرت رکھتے ہو تو اس اہم معاملہ میں ہرگز تساہل نہ کرنا اس کی زندگی بچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھنا اس کو ہر چیز پر فوقیت دینا یہ تمام فرضوں میں سب سے اہم فرض ہے۔

اس واضح آیہ مبارکہ کے باوجود جو مفتیان کرام یہ فرماتے ہیں کہ نہیں..! جو شخص مرتا ہے تو اس کو مرنے دو لیکن گردہ لگاکر اس کو نہ بچاؤ اس کو زندگی نہ بخشو وہ نہ صرف یہ کہ اس آیہ مبارکہ کا صریح انکار کررہے ہیں بلکہ اس آیہ میں ارشاد رب العزت کے بموجب وہ ساری انسانیت کے قاتل ہیں....!

حدیث کی روشنی میں

ا۔۔۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا........

عن ابي رقيه تميم بن اوس الدارى رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال الدين النصيحة۔

(صحیح مسلم)

حضرت ابی رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

یعنی لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا دین کی اساس اور بنیاد ہے اس حدیث مبارک کی روشنی میں جو اپنے اعضاء دے کے اپنے بھائی کی جان بچا کر خیر خواہی کی ایک مثال قائم کرتا ہے وہ درحقیقت دین کی اساس اور بنیاد کو مستحکم کر رہا ہے۔

۲۔۔۔ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور ان کا بھلا چاہنے کی کتنی اہمیت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام سے اس پر بیعت لی یعنی ان سے ہاتھ پکڑ کر عہد لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ خیر خواہی کرنا چنانچہ حدیث مبارک میں ہے......

عن جرير بن عبدالله رضى الله عنه قال بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم علي اقام الصلوٰة و ايتاء الزكوٰة والنصح لكل مسلم۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

لہٰذا اپنے اعضاء دیگر اپنے مسلمان بھائی کی جان بچانا اپنے نبی سے کیئے ہوئے عہد کو نبھانا ہے۔

۳۔۔۔ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔۔۔۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

لہٰذا اگر کبھی خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ تمہاری جان کے لالے پڑجائیں ایسے وقت میں تم یہ چاہو گے کہ کوئی تمہاری جان بچالے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے مسلمان بھائی پر ایسا وقت آجائے تو تم اس کی جان بچانے کے لیے دوڑ پڑو۔

اب میں اس حدیث کی روشنی میں اس کے عدم جواز کا فتویٰ دینے والے علماء اور مفتیان کرام سے پوچھتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ آپ پر یہ وقت آجائے کہ آپ کے گردے بیکار ہوجائیں اب اس دنیا میں چند لمحوں کے مہمان ہوں ڈاکٹروں نے جواب دیدیا ہو سب آپ کی زندگی سے مایوس ہوگئے ہوں آپ کو سورہ یاسین سنائی جارہی ہو اتنے میں آپ کا کوئی جاننے والا اپنا ایک گردہ آپ کو دیدے اور اس سے آپ کو دوبارہ زندگی مل جائے تو کیا آپ اس کو پسند نہیں کریں گے.........؟ اگرچہ اس وقت آپ زبان سے کچھ بھی کہیں لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت آپ نہایت مسرور اور شاداں ہوں گے اور اپنا گردہ دیکر آپ کی جان بچانے والے کے آپ صمیم قلب سے ممنون ہوں گے لہٰذا حدیث بالا کی روشنی

میں جب آپ اپنے لیے یہ چاہتے ہیں کہ کوئی آپ کی زندگی بچائے تو آپ بھی اپنے مسلمان بھائی کی زندگی بچائیے اور بچانے کا مشورہ اور فتویٰ دیجئے اور ایسا کرنا حدیث بالا کی روشنی میں آپ کے کمال ایمان کی دلیل ہوگا۔

۴۔۔۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا.....

و عن ابي هريرة رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله ﷺ من لا يرحم لا يرحم۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اس حدیث کی رو سے کسی مسلمان بھائی کو آدمی تڑپتا ہوا اور مرتا ہوا دیکھے لیکن اس کو ذرا رحم نہ آئے اور وہ گردہ یا کوئی عضو دیگر اس کی جان نہ بچائے تو کل اس پر بھی کوئی وقت پڑا تو کوئی اس پر بھی رحم نہیں کرے گا وہ اگر کسی کے کام نہ آیا تو کل مشکل کے وقت کوئی اس کے بھی کام نہیں آئے گا۔

۵۔۔۔ ارشاد گرامی ہے......

عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما ان رسول الله ﷺ قال المسلم اخوا المسلم لا يظلمه و لا يسلمه من كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته و من فرج عن مسلم كربة فرّج الله عنه بها كربة من كرب يوم القيامة و من ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت
ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے
فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم
کرے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے جب تک
کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتا ہے اللہ
اس کی حاجتیں پوری فرماتا رہتا ہے اور جو کوئی اپنے
مسلمان بھائی کی دنیاوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ
اس کی قیامت کی تکالیف دور فرمادیتا ہے اور جو کوئی
مسلمان بھائی کی عیب پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت
کے دن اس کی عیب پوشی فرماتا ہے۔

اس حدیث مبارک میں واضح طور پر کسی دکھ اور تکلیف میں پھنسے ہوئے اپنے مسلمان بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کی مشکل آسان کرنے اس کی تکلیف دور کرنے پر رب کے بہت سے انعام و اکرام کی خوشخبریاں سنائی گئی ہے لہٰذا گردہ کا عطیہ دیکر یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے مسلمانوں کی مشکل کشائی کرنے والے کے لیے عظیم مژدہ جانفزاء ہے یہ نقصان نہیں بلکہ عظیم دینی اور اخروی فوائد کے حصول کا ذریعہ ہے

۶ ـــ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور اقدس میں ہونے والی جنگ یرموک کا ایک واقعہ ہمارے دعوے کے ثبوت میں ایک بہت بڑی دلیل ہے واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ کے اختتام پر حضرت شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتے پھر رہے تھے کہ آپ نے حضرت حارث بن ہشام کو دیکھا کہ وہ زخموں سے چور ہیں اور جان بلب ہیں آپ نے ان کو پینے کے لیے پانی دیا تاکہ ان کی جان بچ جائے ابھی انہوں نے پانی پینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ قریب سے دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی انہوں نے اسی وقت پانی منہ سے ہٹادیا حالانکہ وہ پانی پی کر اپنی جان بچا سکتے تھے لیکن انہوں نے فرمایا کہ پہلے میرے اس بھائی کو جا کر پانی پلاؤ یہ زخمی حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پیارے صحابی تھے جو زخموں سے چور اس جہاں میں چند لمحوں

کے مہمان تھے حضرت شرحبیل نے پانی ان کی طرف آگے بڑھایا تاکہ یہ پی کر اپنی جان بچالیں ابھی انہوں نے پانی پینا ہی چاہا تھا کہ قریب سے ایک اور زخمی حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کراہنے کی آواز آگئی اس آواز کے آتے ہی حضرت عکرمہ نے پانی پی کر اپنی جان نہیں بچائی بلکہ بغیر پیئے پانی اپنے منہ سے ہٹا دیا اور فرمایا پہلے میرے بھائی کو پلاؤ تاکہ اس کی جان بچ جائے چنانچہ جب حضرت شرحبیل وہ پانی لے کر حضرت سہیل کے پاس گئے تو وہ اس وقت جام شہادت نوش فرما چکے تھے پھر وہ اس پانی کو لے کر واپس حضرت عکرمہ کے پاس آئے تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے پھر وہ اسی پانی کو لیکر پہلے والے زخمی حضرت حارث کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

الغرض اسلام کے ان تین عظیم سپوتوں نے ایک دوسرے کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے یہ سبق دے دیا کہ اپنے بھائی کی زندگی کی خاطر اپنی زندگی کو قربان کر دینا یہ ایثار کا بڑا بلند مقام اور محبوبیت کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسلام کا زریں سبق ہے۔

اب وہ مفتیان کرام ذرا غور فرمائیں جو اپنے مسلمان بھائی کی زندگی بچانے کے لیے ایک گردہ دینے پر بھی حرمت کے فتوے لگا رہے ہیں جس میں دینے والے کا کوئی خاص نقصان بھی نہیں ہوتا جب کہ صحابہ کا طریقہ ان کی سنت اور ان کا ”عملی فتویٰ“ یہ ہے کہ اپنی جان دیکر بھی اپنے بھائی کی زندگی بچتی ہے تو اپنے بھائی کی خاطر اپنی جان دینے سے بھی گریز نہ کرو۔

ذرا غور فرمائیں کہ جب بھائی کی خاطر اپنی جان دینے میں کوئی حرج نہیں تو گردہ دینے میں کیا حرج ہے.....؟ اور جو مفتیان کرام گردہ یا دل دیکر اپنے بھائی کی جان بچانے کو حرام کہتے ہیں وہ اب یہاں کیا فتویٰ ارشاد فرمائیں گے.....؟ کیا یہ صحابہ کرام جنہوں نے اپنے بھائیوں کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے ایثار کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو تاریخ اسلام میں سنہری حروف سے چمک رہی ہے اور جس کو بیسیوں علماء اور محققین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر کے اسلام کی عظمت کو اس واقعہ کے ذریعہ آشکار اکیا ہے ان مفتیان کرام کے فتوے کی رو سے اپنی جان بچانے کا فرض ادا نہ کر کے اپنے بھائی کے لیے اپنی جان دینے کے ”حرام فعل“ کا ارتکاب کر کے معاذاللہ کیا یہ صحابہ کرام حرام کی موت مرے.....؟ معاذاللہ

۷۔۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے......

لزوال الدنیا اهون عند الله من قتل رجل مسلم۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ر ص ۸۴۷)

ترجمہ :۔ بیشک دنیا کا نیست ونابود ہوجانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ آسان ہے اس سے کہ کسی مسلمان کو قتل کردیا جائے۔

اس حدیث مبارک نے ایک مسلمان کی جان اور زندگی کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور دین اسلام میں جو اہمیت ہے اس کو بیان کردیا کہ ساری روئے زمین اپنی تمام تر عظمتوں کے ساتھ ایک طرف اور ایک ادنیٰ سے مسلمان کی جان ایک طرف' پھر بھی یہ ساری زمین ایک مسلمان کی جان کے مقابلہ میں کچھ نہیں یہ خدا کا فیصلہ ہے اور مفتی کا فیصلہ یہ ہے کہ نہیں ! آدمی کی جان سے زیادہ ایک آدمی کا گردہ قیمتی ہے جان جاتی ہے تو چلی جائے لیکن کسی کا گردہ ہرگز نہیں لیا جاسکتا۔

۸۔۔ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہے....

قال رسول الله ﷺ غفر لامرأة مومسته مرت بكلب على راس ركى يلهث كاد يقتله العطش فنزعت خفها فاوثقته بخمارها فنزعت له من الماء فغفرله بذالك قيل ان لنا فى البها ئم اجراً قال فى كل ذات كبد رطبة اجر۔

(مشکواۃ' باب فضل الصدقہ' ص ۱۶۸ بحوالہ بخاری و مسلم)

ترجمہ :۔ ایک بدکار عورت صرف اس لیے بخش

دی گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری تھی جو
ایک کنوئیں کے پاس کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان
نکال رہا تھا اور بالکل مرنے کے قریب تھا' اس عورت
نے اپنا موزا اتارا اور اس کو اپنے دوپٹہ سے باندھ کر
اس کے لیے اس سے پانی نکالا بس اس کی وجہ سے
وہ بخش دی گئی' صحابہ نے عرض کیا کہ کیا جانوروں
کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے پر ہمیں اجر ملے گا
........؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر ترجگر رکھنے والے
(یعنی جاندار) کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر ثواب
ہے۔

غور فرمایئے ایک کتا جو مرنے کے قریب ہو اس کی اگر کوئی جان بچالے تو جنت میں چلا جائے تو جو اشرف المخلوقات میں سے کسی کی جان بچائے گا وہ کیوں نہ جنت کا اعلیٰ مرتبہ پائے گا.....؟ پھر صحابہ کرام کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال وجواب نے اس کی مزید وضاحت کردی کہ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب ہے تو آدمی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے مشکل وقت میں گردہ یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کرکے اس کی مدد کرنے کا کتنا بڑا ثواب ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔

۹---ایک اور فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم....

عذبت امراة في هرة امسكتها حتیٰ ماتت من
الجوع فلم تكن تطعمها ولاتر سلها فتاكل
من خشاش الارض

(مشکواۃ' باب فضل الصدقہ' ص ۱۶۸' بحوالہ بخاری
ومسلم)

سے عذاب ہوا جس کو اس نے باندھ رکھا تھا یہاں
تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی اس عورت نے نہ
اس کو کچھ کھلایا اور نہ ہی اس کو آزاد چھوڑا کہ وہ
خود زمین کے جانور کھاتی۔

اس حدیث مبارک میں دعوت فکر ہے ان مفتیان کرام کے لیے جو اعضاء کے عطیہ دینے کی حرمت کے فتوے لگا کر جان بلب مریضوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں اور ان کو تڑپا تڑپا کر مار رہے ہیں وہ غور کریں اور اس وعید سے ڈریں کہ جب ایک بلی کے مارنے پر عذاب ہو سکتا ہے تو کسی آدمی کے مارنے پر کتنا عذاب ہو گا....؟

۱۰۔ایک اور ایمان افروز رسول ذیشان کا فرمان عالیشان.......

تبسمك فی وجه اخیك صدقة و امرك
بالمعروف صدقة و نهیك عن المنكر صدقة
وارشادك الرجل فی ارض الضلال لك
صدقة و نصرك الرجل الردی البصر لك
صدقة و اماطتك الحجر والشوك والعظم عن
الطريق لك صدقة و افراغك من دلوك فی
دلو اخیك لك صدقة۔

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، ص ۱۶۸، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ :۔ تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا
صدقہ ہے اور تیرا کسی اچھے کام کا حکم کرنا بھی صدقہ
ہے اور تیرا کسی برے کام سے منع کرنا بھی صدقہ ہے
اور تیرا کسی کو بے نشان جگہ پر راہ بتلا دینا بھی صدقہ
ہے اور تیرا کسی اندھے یا کم نظر آنے والی کی مدد کرنا
بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی راستہ سے پتھر اور کانٹا اور
ہڈی کا ہٹا دینا بھی تیرے لیے صدقہ ہے اور تیرا اپنے

ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں ڈالنا بھی تیرے لیے
صدقہ ہے۔

اس حدیث مبارک میں **"ونصرک الرجل الردی البصر"** (کسی اندھے یا کم نظر آنے والے کی مدد کرنا) کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اندھے کو راستہ دکھادو یا اس کا ہاتھ پکڑ کے لے جاؤ بلکہ ایک عام لفظ **"نصرک"** فرمایا جس کے معنی میں اس کی مدد کرنا اس دانائے کل ختم الرسل کو سب کچھ پتہ تھا کہ چودھویں صدی کے اندر سرجری اتنی ترقی کرجائے گی کہ لوگ اپنی آنکھوں کا عطیہ دیکر بھی اپنی نابینا بھائیوں کی مدد کریں گے اس لیے آپ نے **"نصرک"** کا عام لفظ ارشاد فرمایا جس میں راستہ دکھا کر اس کی مدد کرنا بھی آگیا اور آنکھوں کا عطیہ دیکر اس کی مدد کرنا بھی آگیا آپ نے نابیناؤں یا کم نظر آنے والوں کی ہر قسم کی مدد کی تلقین فرما کر اور اس کے ثواب کا ذکر کر کے مخلوق خدا کو آنکھیں عطیہ کرنے کی رغبت بھی دلادی۔

۱۱۔ سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا.......

لقد رأیت رجلاً یتقلب فی الجنة فی شجرة
قطعها من ظهر الطریق کانت توذی الناس۔

(مشکواۃ، باب فضل الصدقہ ص ۱۶۸، بحوالہ صحیح مسلم)

ترجمہ :۔ بیشک میں نے ایک شخص کو جنت میں
پھرتے ہوئے دیکھا اس وجہ سے کہ اس نے راستہ
میں سے ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو ایذاء
پہنچاتا تھا۔

سبحان اللہ.....! راستہ میں درخت سے بندگان خدا کو جو معمولی سی تکلیف ہوتی تھی اس کو دور کرنے والے کے جب سارے گناہ معاف ہوسکتے ہیں اور وہ جنت میں جاسکتا ہے تو وہ شخص جو نابینا کو آنکھیں عطا کر کے یا بلڈ یوریا کے مہلک مرض میں تڑپتے ہوئے جاں بلب

مریض کو گردہ دیکر ان کی سخت ترین اذیت اور تکلیف کو دور کرے گا اس کے کیوں نہ گناہ معاف ہوں گے اور وہ کیوں نہ جنت کی ابدی راحتوں کا مستحق ہو گا۔

کیا یہ "عقل و نقل" اور "روایت و درایت" کے خلاف بات نہیں کہ ایک کتے کی جان بچانے والا اور ایک لوگوں کی راہ سے درخت ہٹا کر ان کو راحت پہنچانے والا تو جنت میں چلا جائے اور ایک انسان کی جان بچانے والا اس کو سخت ترین ایذاء اور کرب سے نجات دینے والا صرف اس جرم میں جہنم میں جائے کہ اس نے کسی کی جان بچا کر کسی مسلمان کو سخت تکلیف سے نجات دیکر "حرام کام" کیوں کیا، حیرت ہے ان فتووں پر ؎

عقل کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا عقل
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۱۲۔ دو جہاں کے والی، رحمتہ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

من سر مسلماً بعدی فقد سرنی فی قبری و
من سرنی فی قبری سرہ اللہ تعالیٰ یوم
القیامۃ۔

(کنزالعمال ج ۶ ر ص ۴۳۲)

ترجمہ :۔ جس نے میرے بعد کسی مسلمان کو خوشی پہنچائی اس نے بلاشک و شبہ میری قبر میں مجھے مسرور کیا اور جس نے میری قبر میں مجھے مسرور کیا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خوش کردے گا۔

کتنا بڑا مژدہ ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے مسلمان بھائی کو چھوٹی چھوٹی خوشیاں پہنچا کر اپنے رب اور اپنے آقا و مولا سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی حاصل کر رہے ہیں پھر ان کا تو کہنا ہی کیا جو آنکھیں اور زندگی جیسی عظیم نعمت کسی مجبور کی جھولی میں ڈال کر اس کے قلب کی بے پناہ فرحت و انبساط کا سامان کرتے ہیں اور اس طرح اللہ اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بے نہایت رضا اور بے پایاں الطاف و کرم سے اپنی جھولی کو مالا مال کر لیتے ہیں

مانعین کے دلائل کے جوابات

اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز کے قائلین میں حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ بھی ہیں جو اس کے عدم جواز کے ثبوت کے لیے مسلم شریف کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں.........

دلیل اول

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ساتھی کو سخت تکلیف ہوگئی اور جب وہ تکلیف ان کے برداشت سے باہر ہوگئی تو انہوں نے اپنے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو کاٹ لیا جس کی وجہ سے ان کے دونوں ہاتھوں سے اس قدر خون بہا کہ اس کے باعث ان کا انتقال ہوگیا حضرت طفیل نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ اچھی حالت میں ہیں لیکن دونوں ہاتھ ان کے لپٹے ہوئے ہیں حضرت طفیل نے پوچھا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کے سبب بخش دیا حضرت طفیل نے جب ہاتھوں کے متعلق پوچھا کہ ان کو کیوں لپیٹا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے حضرت طفیل نے یہ خواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خواب سن کر فرمایا "اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے"

(صحیح مسلم جلد ایک ص ۷۴)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں.........

> اس حدیث سے واضح ہوا کہ انسان اپنے اعضاء
> کا مالک نہیں اور ان کو کاٹ نہیں سکتا پورا عضو کاٹنا
> تو کجا صرف انگلیوں کے جوڑ کاٹنے پر اللہ تعالیٰ ناراض

ہوا اور فرمایا "**لن نصلح منک ما افسلت**" جس عضو کو تم نے بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے، جو لوگ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اعضاء کو کٹوادیتے ہیں یا مرنے کے بعد کاٹ دیئے جانے کی وصیت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آخرت میں ان اعضاء سے محروم کردیئے جائیں اور ان کا حشر آنکھوں یا دیگر اعضاء کے بغیر ہو۔

(شرح صحیح مسلم، غلام رسول سعیدی، جلد ایک ص ۸۶۶)

جواب

اس حدیث مبارک سے اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں کیوں کہ اس حدیث مبارک کی رو سے وہ صحابی اپنے آرام کی خاطر اور اپنی تکلیف کی نجات کی خاطر اپنے اعضاء کو بگاڑنے اور خودکشی جیسے حرام فعل کے مرتکب ہوئے جس کی حرمت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں جب کہ یہاں ایک انسان اپنی خاطر نہیں بلکہ اپنے بھائی کی تکلیف رفع کرنے کی خاطر بلکہ اس کو زندگی عطاء کرنے کی خاطر ایک ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جس میں خودکشی یا ہلاکت تو کجا اس کی زندگی اور صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

وہاں انگلیوں کے قطع سے جان چلی گئی جب کہ یہاں گردے کے قطع کرنے سے نہ جان جاتی ہے نہ صحت جاتی ہے ایسی صورت میں اس حدیث سے پیوند کاری کے عدم جواز پر کیسے استدلال درست ہوسکتا ہے ایک اعضاء کا کاٹنا مذموم ہے اور ایک اعضاء کا کاٹنا محمود ہے، مذموم وہ ہے جو ہلاکت تک لے جانے والا ہو اور محمود وہ ہے جس میں جان کی ہلاکت نہ ہو، مذموم وہ ہے جو اپنے آرام کے لیے ہو اور محمود وہ ہے جو دوسروں کے آرام کے لیے ہو، تو چوں کہ آجکل اعلیٰ سرجری کے باعث گردہ وغیرہ کے عطیہ دینے والے کی جان جاتی نہیں اور

لینے والے کی جان بچ جاتی ہے لہٰذا اس کے جواز بلکہ محمود ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس قطع محمود کو قطع مذموم پر قیاس کرنا کسی طرح سے بھی درست نہیں۔

دلیل ثانی

مانعین کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ "ولقد کرمنا بنی آدم" کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تکریم دی ہے اور یہ کاٹ پیٹ اس کی تکریم اور تعظیم کے خلاف ہے لہٰذا اضطرار کی حالت میں بھی یعنی اگر کسی کی جان جارہی ہے تو چلی جائے لیکن اس کی جان کو بچانے کے لیے بھی کسی آدمی کے کسی عضو کا کاٹ کر اس لیے نہیں لگایا جاسکتا کہ اس میں آدمیت کی حرمت کی پامالی ہے جو ہرگز جائز نہیں اس پر وہ فتاویٰ قاضی خان کی یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں.....

مضطر لم یجد میتة و خاف الهلاك فقال له رجل اقطع ایدی و کلها او قال اقطع منی قطعة فکلها لایسعه ان یفعل ذالك و لایصح امره به کما لایصح للمضطر ان یقطع قطعة من لحم نفسه فیاکل۔

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ ج ۳ - ص ۴۰۴)

ترجمہ :- کسی شخص کو حالت اضطراز میں کھانے کے لیے مردار بھی نہ ملا اور اسے اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور اس سے ایک شخص کہے میرے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھالو تو مضطر کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا امر کرنا صحیح ہے جیسا کہ مضطر کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ خود اپنا گوشت کاٹ کر کھالے۔

اسی قسم کی عبارات فتاویٰ ہندیہ، شرح المہذب، المغنی، الشرح الکبیر، الدسوقی علی الشرح الکبیر اور حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر میں بھی درج ہے۔

اسی طرح مبسوط میں ہے.....

قیل الانتفاع باجزاء الأدمی لم یجز لنجاسته و قیل لکرامته و ھو الصحیح

(مبسوط ج ۱۵ ص ۱۲۵)

ترجمہ :- کہا گیا ہے کہ آدمی کے اجزاء سے انتفاع ناجائز ہے اس کے نجس ہونے کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اس کی کرامت کی وجہ سے اور یہی قول صحیح ہے۔

مانعین کے نزدیک صرف زندہ ہی نہیں بلکہ مردہ انسان کے اعضاء بھی لینے جائز نہیں کیوں کہ ان کے نزدیک زندہ اور مردہ کا حکم یکساں ہے اس حدیث کی بناء پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا.....

کسر عظام المیت ککسرھا حیاً

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۴۴)

چنانچہ اس کے عدم جواز کے ایک اور قائل مفتی محمد شفیع صاحب اس کی حرمت پر اسی دلیل سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں....

اگر انسان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو کہ اس کی کھال اور بال اور اعضاء کو قطع و برید کر کے استعمال کیا جائے تو یہ انسانی شرافت و تکریم اور منشاء تخلیق کائنات کے بالکل منافی ہے اس لیے انسانی اعضاء کی خریدوفروخت' کاٹ کر اس کو استعمال کرنا سنگین جرم اور سخت حرام قرار دیا ہے۔

(انسانی اعضاء کی پیوندکاری شریعت اسلامیہ کی روشنی میں' مفتی محمد شفیع' ص ۳۱)

جواب اول

ملاحظہ کیجئے اس استدلال کے جواب سے پہلے ایک تمہید ہے وہ یہ ہے کہ عرف وعادت کے بعض احکامات زمانہ اور علاقہ کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں چنانچہ ایک چیز کا ایک علاقہ میں حسن کے اندر شمار ہوتا ہے تو اسی چیز کا دوسرے علاقہ کی عرف وعادت کے مطابق قبح میں شمار ہوتا ہے چنانچہ شریعت مطہرہ کے اس اصول کو امام ابواسحاق شاطبی ایک مثال دیکر سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں......

والمتبدله منها ما يكون متبدلاً فى العادة من حسن الى قبح و بالعكس مثل كشف الراس فانه تختلف بحسب البقاع فى الواقع فهو الذى المردات قبيح فى البلاد المشرقيه وغير قبيح فى البلاد المغربيه فالحكم الشرعى يختلف باختلاف ذالك فيكون عند اهل المشرق قادحاً فى العدالة و عند اهل المغرب غير قادح۔

(الموافقات' ج ۲ر ص ۲۰۹ - ۲۱۰)

ترجمہ :۔ بعض چیزیں حسن سے قبح کی طرف اور بعض قبح سے حسن کی طرف تبدیل ہوجاتی ہیں جیسے ننگے سر ہونا کہ مختلف علاقوں کے لحاظ سے اس کا حکم مختلف ہوجاتا ہے کیوں کہ مشرقی ممالک میں ننگے سر ہونا معیوب شمار ہوتا ہے جب کہ مغربی ممالک میں ننگے سر ہونا کوئی معیوب بات نہیں لہٰذا اس عرف وعادت کے اختلاف کی وجہ سے اس کا حکم بھی مختلف ہوجائے گا یعنی اہل مشرق کے یہاں عدالت میں ننگے

سر ہونا قابل اعتراض کہلائے گا جب کہ اہل م غرب
کے یہاں یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہوگی۔

اس تمہید کے بعد اب جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمی کی حرمت اور اس کی تعظیم و تکریم بڑی اہم چیز ہے اور جو امور اس کی تکریم کے خلاف ہوں اور توہین آمیز ہوں وہ جائز نہیں لیکن تکریم وتوہین کے لیے شریعت نے کوئی اصول اور پیانہ مقرر نہیں کیا اس کا فیصلہ عرف وعادت کے مطابق ہوگا جب کہ عرف وعادت زمانہ اور علاقہ کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بے شک پہلے زمانہ میں انسانی اعضاء کی قطع وبرید انسانیت کی توہین شمار ہوتی تھی اور اس کو آدمیت کی حرمت اور اس کی تکریم کے خلاف تصور کیا جاتا تھا لہٰذا اس زمانہ میں یہ حرام تھا لیکن آج کے زمانہ میں اپنا عضو کسی کو عطیہ کرنا کوئی معیوب بات نہ رہی بلکہ اس کے برعکس فضیلت اور عظمت کی بات شمار ہوتی ہے کہ فلاں وزیر صاحب نے یا فلاں اہم شخصیت نے اپنی آنکھ عطیہ کردی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیسا عظیم انسان ہے جس نے دوسروں کی بھلائی کے لیے یہ وصیت کی ہے الغرض چوں کہ زمانہ کے تغیر سے یہ عرف وعادت متغیر ہوگئی ہے لہٰذا اس کا حکم بھی بدل جائے گا پہلے بے شک یہی فعل تکریم آدمیت کے منافی ہونے کے باعث حرام تھا لیکن آج کے دور میں تکریم آدمیت کا موجب ہونے کے باعث جائز ہوجائے گا۔

جواب ثانی

مانعین کے اسی استدلال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بے شک تکریم انسانیت اور حرمت آدمیت بڑی اہم چیز ہے لیکن شریعت مطہرہ میں انسانی جان بچانے سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں، دیکھئے اس پر سورہ مائدہ کی وہ آیت شاہد ہے جو اس فقیر نے پہلے نقل کی ہے جس میں رب کائنات نے صرف ایک جان کے ضائع ہونے کو ساری انسانیت کا ضیاع اور ایک جان کے بچانے کو ساری انسانیت کا بچانا فرمایا ہے یعنی یہ بتادیا کہ تم ایک جان کو ضائع کرکے ساری انسانیت کو ختم کررہے ہو تمام انسانوں کو ضائع کررہے ہو جب کوئی رہا ہی نہیں تو اب تکریم

کس کی.....؟ کیوں کہ تکریم تو ایک صفت ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوگی جب انسان ہی ختم ہوگئے' ایک کو نہ بچا کر اس کو مار کر تم نے ساری انسانیت کو نیست و نابود کردیا تو اب تکریم اور تحریم کس کی کروگے.....؟ تکریم کا تو بعد میں نمبر آئے گا پہلے موصوف کو تو باقی رکھو تاکہ صفت کا بعد میں اس کے ساتھ اتصاف ہوسکے۔

جو مفتیان کرام "تکریم" کو تو اہمیت دے رہے ہیں لیکن زندگی بچانے کو جو اصل ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص بغیر وضو کے نماز شروع کردے اور ایک مفتی صاحب یہ جانتے ہوئے کہ یہ بے وضو نماز پڑھ رہا ہے اس کو تلقین کریں کہ میاں رکوع و سجود اچھی طرح کرو' اپنی اس نماز میں خشوع و خضوع بھی پیدا کرو' طمانیت اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو........ تو ان سے یہی عرض کیا جائے گا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں ایک ایسی چیز کے حسن اور نکھار کی آپ تلقین فرمارہے ہیں جس کا وجود ہی نہیں ہے کیوں کہ بغیر وضو کے نماز ہی نہیں ہوتی جب نماز ہی نہیں ہے تو اس کے حسن و نکھار اور اس کی تحریم و تعظیم کی بات کرنا لایعنی اور مہمل ہے پہلے اس کو تلقین کیجئے کہ وضو کرکے نماز پڑھے' جب نماز کا وجود قائم ہوجائے پھر اس کے نکھار اور اس کے نوک پلک سنوارنے کی بات کیجئے۔

اسی طرح یہاں بھی پہلے ایک انسان کو بچا کر ساری انسانیت کو بچانے کی بات کیجئے پھر اس کی تکریم و تحریم کی بات آپ کو زیب دے گی ورنہ ایک آدمی کی جان نہ بچا کر اس کو ختم کرکے آپ نے قرآن کے ارشاد کے مطابق جب ساری انسانیت ہی کو ختم کردیا اب "تکریم" کس کی کرائیں گے۔

(ب) شریعت مطہرہ میں حرمت آدمیت سے زیادہ انسانی جان کے بچانے کی اہمیت ہے' فقیر کے اس دعوے پر مندرجہ بالا آیت مبارکہ کے علاوہ بعض فقہی جزئیات بھی اس کے مؤید ہے' دیکھئے یہ شرعی مسئلہ ہے کہ کوئی عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہے تو اس بچہ کی زندگی بچانے کی خاطر فقہاء نے عورت کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دی ہے چنانچہ عبارت ملاحظہ ہو.......

لو ان حاملا ماتت فی بطنها ولد

يضطرب فان كان غالب الظن انه ولد حى
و هو فى مدة يعش غالباً فانه يشق بطنها
لان فيه احياء الآدمى فترك تعظيم الآدمى
اهون من مباشرة سبب الموت۔

(تحفہ الفقہاء جلد ۳، ص ۳۴۳)

ترجمہ :۔ اگر کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں کوئی بچہ حرکت کرتا ہو اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا اس لیے کہ اس میں ایک آدمی کو زندگی بخشنا ہے' پس آدمی کی تعظیم کو چھوڑدینا آسان ہے اس سے کہ کسی زندہ کی موت کا سامان کیا جائے۔

یہی مسئلہ فقہ حنفی کی کتاب درمختار میں اس طرح بیان کیا گیا....

حامل ماتت و ولدها حی یضطرب شق بطنها

اس ہی جزئیہ پر فقہ حنفی کی معتبر کتاب البحرالرائق میں یوں دلیل دی گئی...

لان ذالك تسبب فی احياء نفس محترمة بترك
تعظيم الميت۔

(درمختار جلد ایک ص ۸۴۰)

کیونکہ یہاں تعظیم میت کا ترک ایک محترم جان کے احیاء اور بقاء کا سبب بن رہا ہے۔

غور فرمائیں مفتیان کرام جو احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق احادیث نقل کرکے اعضاء کے عطیہ دینے کی حرمت کو ثابت کرتے ہیں کیا اتنے بڑے بڑے فقہاء کی نظر میں وہ احادیث نہیں تھیں .....؟ یقیناً تھیں اور ان کو آدمیت اور میت کے آداب اور احترام کا اچھی طرح پتہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ حاملہ کے پیٹ کو چاک کرکے میت کی بے حرمتی کو جائز قرار دے رہے ہیں صرف اس لیے کہ شریعت مطہرہ میں آدمی اور میت کی حرمت سے زیادہ انسانی جان کو اہمیت حاصل ہے۔

لہٰذا اس فقہی مسئلہ کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ کسی کی جان بچانے کے لیے اعضاء کا عطیہ دینے یا وصیت کرنے میں آجکل اگرچہ یہ کوئی معیوب اور تحریم آدمیت کے خلاف بات شمار نہیں ہوتی لیکن اگر بالفرض کوئی اس کو احترام آدمیت کے خلاف تصور کرتا ہے تب بھی کسی کی جان بچانے کی خاطر ایسا کرنا جائز اور درست بلکہ کار ثواب ہوگا اس وقت احترام میت یا احترام آدمیت کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ سب کو چھوڑ کر ایک جان بچانے کی کوشش کی جائے گی کیوں کہ حرمت آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان بچانا زیادہ اہم ہے۔

(ج) ایک اور فقہی جزئیہ ہے کہ کوئی مضطر انسان کسی مردہ آدمی کو کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے یا نہیں.....؟ مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا جب کہ شوافع اور بعض احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ کھا سکتا ہے کیوں کہ زندہ کی حرمت مردہ سے زیادہ ہے.....

و قال الشافعي و بعض الحنفية يباح وهو
اولیٰ لان حرمة الحی اعظم

(المغنی جلد ۹، ص ۳۳۵)

احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق تمام آیات اور احادیث کے باوجود علماء کا ایک جان بچانے کی خاطر مردہ آدمی کو کھانے کی اجازت دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شریعت میں آدمی کی تحریم و تکریم سے زیادہ انسانی جان کی زیادہ اہمیت ہے لہٰذا اعضاء کی پیوند کاری کے مسئلہ میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھ کر اس کے جواز کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(د) فقہاء نے بھی ایک مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی مضطر کو کوئی ایسا شخص مل

جائے جس کو کسی جرم کی وجہ سے شرعی طور پر قتل کی سزا سنائی گئی ہو تو وہ مضطر ایسے شخص کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔

(المغنی جلد ۹ ص ۳۳۵)

یہ جزئیہ بھی ہمارے اس دعوے کی واضح دلیل ہے کہ کسی کی جان بچانے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اس کے مقابلہ میں "حرمت آدمیت" کا خیال نہیں کیا جائے گا حرمت آدمیت کا مرتبہ بعد میں ہے پہلا مرتبہ انسانی زندگی کے بچانے کا ہے۔

لہٰذا وہ شخص جس کی زندگی کسی قتل کی سزا کے باعث ختم ہو رہی ہے اس سے اگر کسی دوسرے انسان کو زندگی مل جاتی ہے تو اس کے جسم سے انتفاع جائز ہو گا اور اب حرمت آدمیت کا کوئی خیال نہیں کیا جائے گا۔

(ر) آدمیت کی حرمت کی تو اسلام میں یہ حیثیت ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا اور وہ آدمی مر گیا تو بعض حالات میں اس شخص کا موتی دلوانے کے لیے بھی اس "میت" کے پیٹ کو چاک کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے......

و لو بلع مال غیره و مات هل یشق قولان
الاولیٰ نعم فتح

(درمختار جلد ایک ص ۸۴۰)

ترجمہ :۔ اور اگر کسی شخص نے کسی کا مال نگل لیا اور پھر مر گیا تو کیا اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا.....؟
اس میں دو قول ہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ چاک کیا جائے گا' فتح القدیر۔

ذرا غور فرمائیے کہ فقہاء کی نظر میں احترام آدمیت اور احترام میت کے مقابلہ میں ایک انسان کے مالی حق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے تو پھر جہاں احترام آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان جیسی چیز آ جائے جس کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی بھلا ایسی قیمتی اور اہم چیز کو کیسے نظر

انداز کردیا جائے گا اور اس کے مقابلہ میں احترام آدمیت اور احترام میت کو کیسے ترجیح دی جاسکے گی ماننا پڑے گا کہ انسانی جان کی اہمیت احترام آدمیت اور احترام میت وغیرہ سے کہیں زیادہ ہے اور اس پر کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں (ج ۲ر ص ۱۰۲) بحرالرائق نے (ج ۸ر ص ۲۰۵) فتاویٰ قاضی خان (ج ۳ر ص ۴۱۱) اور علامہ ابن عابدین نے شامی میں (ج ار ص ۸۴۰) بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(س) شریعت اسلامیہ میں "انسانی جان" کی کتنی قدروقیمت اور کس قدر اس کو اہمیت حاصل ہے.....؟ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ کلام اللہ یعنی قرآن پاک کی عظمت و حرمت عام آدمی کی عظمت و حرمت سے کہیں زیادہ ہے جس کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جنبی کو اس کا پڑھنا اور بے وضو آدمی کو اس کا ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں لیکن اگر اس کے مقابلہ میں انسانی جان کے بچانے کی بات آجائے تو ترجیح انسانی جان ہی کو دی جائے گی اس سلسلہ میں فقہاء کے بیان کردہ اس مسئلہ کو ملاحظہ فرمایئے......

والذی رعف فلا یرقاء دمه فاراد ان یکتب بدمه علی جبهته شیأً من القران قال ابوبکر یجوز و قیل له لو کتب له بالبول قال لو کان به شفاء لا بأس به۔

(خلاصہ الفتاویٰ جلد ۴ر ص ۱۶۱)

ترجمہ :۔ اور جس کو نکسیر آئے اور خون بند نہ ہوتا ہو تو اگر وہ اپنے خون سے اپنی پیشانی پر قرآن سے کچھ لکھنا چاہے تو ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے ان سے پوچھا گیا کہ اگر پیشاب سے قرآن کا کچھ حصہ لکھا جائے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اگر اس

میں اس کی شفاء ہے تو ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اللہ اکبر..! فقہاء نے اس جزئیہ کے ذریعہ بتادیا کہ دین اسلام میں ایک جان کے بچانے کی بڑی اہمیت ہے اس کے سامنے آدمی کی حرمت تو کیا اگر قرآن جیسی عظیم اللہ کی کتاب کی عظمت و حرمت کو بھی نظرانداز کرنا پڑا تو کرلیں گے لیکن انسانی جان کو ضائع نہیں ہونے دیں گے انسانی جان کو ہر حال میں بچانے کی کوشش کریں گے۔

قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء تو انسانی جان کو اتنی اہمیت اور وقعت دیں لیکن آج کے بعض مفتیوں کی نظر میں یہ انسانی جان اتنی بے قیمت اور اتنی بے وقعت ہے کہ ایک آدمی سسک سسک کر جان دے رہا ہے لیکن بغیر کسی نقصان کے اس کو بچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود صرف احترام آدمیت اور احترام میت کے باعث کسی کو اس کی مدد کی اجازت نہیں اس تڑپتے ہوئے انسان کی بے کسی اور بے بسی کا کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہو لیکن قدرت رکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرو اس کی زندگی نہ بچاؤ اس کو اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے دو ———— یہ کون سا اسلام ہے اور کہاں کی شریعت ہے....؟ یہ انتہائی سنگدلی' بے رحمی اور سفاکی ہے اس کو اسلامی حکم کہنا اسلام کی توہین اور دین کی حرمت کی پامالی ہے یہ احترام انسانیت نہیں بلکہ تذلیل انسانیت ہے یہ تکریم آدمیت نہیں بلکہ تحقیر آدمیت ہے۔

جواب ثالث

مانعین نے جن بعض فقہی جزئیات سے استدلال کیا ہے مثلاً یہ کہ فقہاء کا قول ہے کہ مضطر اپنی جان بچانے کے لیے کسی دوسرے آدمی کا خود اپنے جسم کے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر نہیں کھا سکتا یہ اس کے لیے جائز نہیں اس سے ثابت ہوا کہ دوسرے کے اعضاء لینا اس سے انتفاع اور کسی کا اپنے اعضاء عطیہ کرنا یا وصیت کرنا جائز نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض فقہاء کے ان ارشادات سے آپ کا استدلال کرکے اعضاء کے عطیہ کی حرمت کا قول کرنا درست نہیں کیوں کہ یہاں فقہاء نے اپنی جان بچانے کے لیے

اپنا یا دوسرے کا گوشت کاٹ کر کھانے کی اس لیے اجازت نہیں دی کہ خون کے زیادہ بہہ جانے کے باعث اس کی اپنی یا دوسرے کی موت واقع ہوسکتی ہے تو گویا یہاں جان بچ نہیں رہی تھی بلکہ اس کی اپنی یا دوسرے کی جان جانے کا قوی اندیشہ تھا چنانچہ علامہ ابن قدامہ اس کی یہی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں......

ولنا ان اکلہ من نفسہ ربما قتلہ فیکون قاتلاً نفسہ و لا یتیقن حصول البقاء باکلہ۔

(المغنی جلد ایک ص ۲۳۵)

ترجمہ :- اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آدمی کا اپنے جسم میں سے کسی حصہ کو کھانا بعض دفعہ اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے اس طرح وہ خود اپنا قاتل ہوجائے گا اور اس کے کھانے سے اس کا زندہ رہنا یقینی نہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اجازت نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کی جان بچنے کا نہیں بلکہ جان ضائع ہونے کا اندیشہ تھا لہٰذا جہاں یہ اندیشہ نہ ہو وہاں یہ جائز ہوگا جیسے آجکل سرجری نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ کسی عضو کی منتقلی میں کسی ہلاکت یا نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا لہٰذا یہ صورت اس مندرجہ بالا فقہی جزئیہ کے تحت نہیں آئے گی اور نہ فقہاء کے ان قول پر اس کو قیاس کرتے ہوئے حرام قرار دیا جائے گا کیوں کہ فقہاء کے اس قول اور جزئیہ میں "جان کا نقصان" ہے جب کہ ہمارے مسئلہ میں دونوں جانوں کا "حفظان" ہے۔

دلیل ثالث

مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے "مثلہ" سے منع فرمایا ہے اور اس میں مثلہ پایا جاتا ہے لہٰذا یہ حرام ہے چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول سعیدی زید مجدہ اس دلیل کو کتب لغت کی روشنی میں تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اعضاء کی پیوندکاری کے عدم جواز پر یوں استدلال فرماتے ہیں....

علامہ ابن منظور افریقی "مثلہ" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا اور مثلہ زدہ جانوروں کے کھانے سے بھی منع فرمایا اور مثلہ یہ ہے کہ جانوروں کو کھڑا کرکے اس پر تیر اندازی کی جائے یا زندہ جانوروں کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں حدیث میں ہے آپ نے مثلہ سے منع فرمایا کہا جاتا ہے میں نے حیوان کو مثلہ کیا جب کہ اس کے اعضاء کاٹ ڈالے جائیں اور وہ بدہیئت ہوجائے

مثلت بالقتیل اذا جدعت انفہ و اذنہ او مذاکرہ اوشیأ من اطرافہ اور کہا جاتا ہے میں نے مقتول کو مثلہ کردیا جب کہ مقتول کے ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹ دیئے جائیں اور اس کا اسم مثلہ ہے علامہ ابن کثیر اور علامہ زبیدی نے بھی مثلہ کا یہی معنی بیان کیا ہے اور اس میں دشمن کو ہلاک کرنے یا اس کی تذلیل کی قید نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ ڈالنا یہ مثلہ ہے اور اسی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور پیوندکاری کے لیے جس زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی صریح مخالفت ہوتی ہے۔

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، جلد ایک ر ص ۸۶۴)

جواب اول

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مثلہ کی تعریف دنیا کی ہر عربی لغت میں یہی ملے گی کہ "اعضاء کا کاٹنا" لیکن احادیث مبارکہ میں جس "انسانی مثلہ" سے ممانعت کی گئی ہے اس میں یہ معنی یقیناً شامل ہیں کہ کسی کو قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کو مسخ کرنا کیوں کہ عرب میں اس وقت دشمنی نکالنے کا یہی وحشیانہ طریقہ رائج تھا جس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا لہٰذا جس پس منظر میں یہ ممانعت ہوئی اس کو اس ممانعت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مثال دے کر اس کی وضاحت کرتا ہوں.......

مثال

جیسے قرآن پاک میں ارشاد ہے.......

﴿و لا تدعُ من دونِ اللہ ما لاَ ینفعكَ ولا یضُرُّكَ﴾

(سورہ یونس پارہ ۱۱ آیت ۱۰۶)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر جلالین نے "تدع" کے معنی "تعبد" کے لکھے ہیں حالانکہ کسی عربی لغت میں تدع کے معنی تعبد کے نہیں اس کا اتباع کرتے ہوئے حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کا ترجمہ یہ لکھا......

"اور اللہ کے سواء اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ برا"

حالانکہ "تدع" کے معنی بندگی کے کسی لغت میں درج نہیں لیکن یہاں علماء کرام اور مفسرین عظام اس آیہ مبارکہ کے پس منظر کو دیکھتے ہوئے اس کے معنی بیان فرما رہے ہیں اور اس کا پس منظر یہ تھا کہ عرب کے مشرکین بتوں کو اپنا معبود اور خدا سمجھ کر پکارا کرتے تھے اور اس طرح کسی کو پکارنا یہ عبادت ہو جاتا ہے اس لیے مفسرین نے اب "لا تدع" کے صرف معنی یہ نہیں کیئے کہ کسی کو نہ پکارو کیوں کہ اگر اس کو مطلق رکھتے ہوئے ہر قسم کے پکارنے کی

ممانعت ہو جائے اور کسی قسم کا پکارنے والا بھی مشرک ٹھہرے تو دنیا میں پھر کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا گھر میں صبح سے شام تک کبھی اپنی ماں کو کبھی اپنی بیوی کو کبھی بچوں کو کبھی دوست احباب کو نہ معلوم کس کس کو آدمی پکارتا ہے کیا یہ سب شرک ہو گیا....؟ ہرگز ایسا نہیں اس لیے محقق علماء نے اس کے مطلقاً پکارنے کے یہاں لغوی معنی نہیں کیئے بلکہ اس آیت کے پس منظر کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے مفہوم کو بھی اس میں شامل کر کے تعبد کے یہ معنی کیئے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو مت پوجو۔

اسی طرح یہاں بھی انسانی مثلہ کے لغوی معنی اگرچہ عام ہوں لیکن حدیث میں جب انسانی مثلہ سے ممانعت آئے گی تو اس میں اس ممانعت کے پس منظر کو ضرور ملحوظ رکھا جائے گا اور اس کا مفہوم بیان کرتے وقت اس کو ضرور شامل کیا جائے گا لہٰذا انسانی مثلہ کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کو قتل کر کے بطور انتقام اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کی تذلیل کرنا یہ منع ہے اور حرام ہے۔

ہمارے اس جواب کی تائید خود علامہ سعیدی صاحب کی لسان العرب کے حوالہ سے بیان کردہ عبارت سے ہوتی ہے جس میں انسانی مثلہ کے لیے مطلقاً کسی آدمی (خواہ زندہ ہو یا مردہ) کے اعضاء کاٹنے کو مثلہ نہیں کہا گیا بلکہ "قتیل" کے اعضاء کاٹنے کو مثلہ کہا گیا یعنی لفظ قتیل (مقتول) لا کر بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات آشکارا کر دی کہ مثلہ کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ اس کو قتل کر کے پھر اس کے اعضاء کاٹے جائیں ظاہر ہے قتل کسی دشمنی ہی کی بنیاد پر ہو گا کوئی محبت سے تو قتل نہیں کرتا لہٰذا لفظ قتیل نے بتا دیا کہ انسانی مثلہ کے مفہوم میں یہ چیز شامل ہے کہ کسی کو قتل کر کے اس سے اپنی دشمنی نکالنے کے لیے بطور انتقام اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کی تذلیل کرنا یہ انسانی مثلہ کہلاتا ہے اور احادیث میں اسی کی ممانعت آئی ہے۔

جب کہ یہاں مثلہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی کیوں کہ بخوشی اپنا کوئی عضو دینے والا نہ مقتول ہے اور نہ کسی دشمنی کی بناء پر اس کے اعضاء کاٹے جا رہے ہیں نہ اس کی تذلیل ہو رہی ہے بلکہ اس کے برعکس معاملہ ہے وہ کسی سے انتہائی محبت یا عقیدت رکھنے کے باعث

انسانی ہمدردی کے جذبہ کے تحت اپنا کوئی عضو دینے کا اعلان کرکے اپنی عزت و تکریم میں اضافہ کررہا ہے لہٰذا "مثلہ" کی ممانعت والی احادیث یہاں چسپاں کرکے اس کی حرمت کا قول کرنا قرین انصاف نہیں۔

دلیل رابع

مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا وہ اپنے جسم کے متعلق وصیت نہیں کر سکتا کیوں کہ وصیت اپنی ملک میں کی جاتی ہے اور اس پر دلیل کے طور پر وہ یہ آیات پیش کرتے ہیں

﴿اِنَّ اللّٰہ اشتریٰ منَ المومنینَ انفسَھم و اموالَھم بان لھمُ الجنۃ﴾

کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا' لہٰذا اب ان کی جان اللہ کی ملکیت ہوگئی اب اس میں تصرف کا انہیں کوئی حق نہیں اس کے علاوہ دلیل کے طور پر وہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس میں خود کشی کی ممانعت کی گئی ہے۔

چنانچہ مفتی شفیع صاحب اور علامہ سعیدی صاحب کے علاوہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی اس کی حرمت پر یہی دلیل لاتے ہوئے کہتے ہیں......

> اصل سوال یہ ہے کہ آپ اپنے جسم کے مالک خود کب ہیں .....؟ مذہب ہی نہیں خود قانون بھی آپ کو اپنے جسم کا مالک قرار نہیں دیتا اگر اپنے جسم کے مالک آپ خود ہیں تو پھر آپ کہ خود کشی کی اجازت کیوں حاصل نہیں ....؟ آپ اپنے آپ کو بیچ کیوں نہیں سکتے ......؟ اب جس جسم پر جیتے جی آپ کے اختیارات کا یہ عالم ہے اسی جسم کے حصے بخرے کرنے کا آپ اس وقت کیا اختیار رکھتے ہیں جب آپ اسے چھوڑ کر جاچکے ہوتے ہیں ——

اس وقت اگر ایسی کوئی اجازت آپ کو قانون دیتا ہے
تو یہ قانون کا سقم ہے مذہب کا نہیں۔
(سید ابوالاعلیٰ مودودی ٗ اردو مجالس سید مودودی ص ۳۱)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مندرجہ بالا آیہ کریمہ کی رو سے صرف ہمارا جسم ہی نہیں بلکہ ہمارے اموال بھی اللہ نے خرید لیے ہیں اور ان کا بھی وہ مالک ہوگیا ہے بلکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق صرف ہماری جانوں اور مالوں کا ہی نہیں وہ تو کائنات کی ہر شی کا اصل اور حقیقی مالک ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے.....

﴿وللہ مافی السموات والارض﴾

ترجمہ :۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور
زمین میں ہے۔

لیکن اس نے یہ چیزیں ہمیں دی ہیں اور ہمیں ان کا مالک بنادیا ہے اور اس میں تصرف کا ہمیں اختیار بھی دیا ہے اس پر دلیل وہ آیات ہیں جن میں ان چیزوں کی نسبت قرآن میں ہماری طرف دی گئی ہے مثلاً فرمایا.........

﴿خُذ منْ اموالهم صدقة﴾

(سورہ توبہ آیت ۱۰۳)
آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے۔

دوسرے مقام پر فرمایا.....

﴿وَ لاَ تقتلوا انفسكم﴾

(سورہ نساء آیت ۲۹)
اور اپنے نفسوں کو قتل مت کرو۔

حتیٰ کہ بعض مقامات پر تو صاف طور سے "ملکیت" کی نسبت انسانوں کی طرف دیتے ہوئے فرمایا گیا.....

والمحصنٰتُ مِنَ النساءِ الاّ ما ملکت ایمانکم۔

(سورہ نساء آیت ۲۴)

یعنی تم پر حرام ہیں وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہیں مگر کافروں کی عورتیں جس کے تم مالک ہو وہ تم پر حرام نہیں۔

ان آیات میں اموال اور انفس جن کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے ان کی نسبت ہماری طرف دیکر حتیٰ کہ کافر عورتوں کی ملکیت کی نسبت ہماری طرف فرما کر یہ بتادیا کہ بیشک ان سب چیزوں کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کی عطا سے ہم بھی مالک ہیں اور اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی عطا کردہ ملکیت میں خواہ وہ انفس ہوں یا اموال ہم تصرف کا بجا طور پر حق اور اختیار رکھتے ہیں۔

لہٰذا جو شخص ایثار اور خیر خواہی کی آیات اور احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے انفس اور اموال میں جو خدا نے اس کی ملکیت میں دے دیئے ہیں تصرف کر کے خدا کے بندوں کی زندگیاں بچاتا ہے اور ان کی مشکلیں آسان کرتا ہے وہ یقیناً خدا کی رضا اور خوشنودی کا مستحق ٹھہرے گا۔

مانعین کے خیال کے مطابق اگر انسان سے ہر قسم کی ملکیت اور تصرف کی نفی کردی جائے تو اجر وثواب کا تصور ہی ختم ہو جائے گا کیوں کہ جب "ان اموال" کے ہم مالک ہی نہیں یہ اموال ہمارے ہیں ہی نہیں تو پھر ان کو صدقہ وخیرات کرنے کا ہمیں کیوں ثواب ملے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے "حلوائی کی دکان اور نانا جی کی فاتحہ" کوئی اگر حلوائی کی دکان پر جاکر بغیر خریدے اس کی ساری مٹھائی غرباء میں تقسیم کردے تو اسے ثواب نہیں ملے گا بلکہ عذاب ہوگا کہ اس نے غیر کے ملک میں تصرف کیوں کیا جب کہ ہمیں "اموال" میں تصرف کرنے پر ثواب ہوتا ہے' پتہ چلا کہ یہ اموال اور انفس ہماری ملک ہیں اور ان میں تصرف کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے لہٰذا

عدم ملک سے النفس اور اموال میں عدم تصرف اور اعضاء کی وصیت کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں۔

اسی طرح خودکشی کی حرمتہ کے لیے عدم ملک کی دلیل لانا بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں خودکشی ایک قتل ہے اور قتل کی حرمت پر جب سیکڑوں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کی حرمت ثابت کرنے کے لیے عدم ملک جیسی لا یعنی اور مہمل دلیل اپنے دل سے گڑھنے کی آخر کیا ضرورت ہے۔

دلیل خامس

مانعین کی ایک دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے....

لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة

(جامع ترمذی ابواب الاستیذان جلد ۲ ص ۲۸۶)

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بال ملانے والی، ملاقات کی خواہش کرنے والی اور بدن گودنے اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے جب کسی دوسرے کے بال ملانا اور بدن گدوانا جائز نہیں تو بدن کا ایک پورا عضو قطع کرنا اور دوسرے کے لگانا کب جائز ہو گا....؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ترمذی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی باب یعنی "**باب ماجاء فی الواصلہ والمستوصلہ**" میں جہاں یہ حدیث ذکر کی ہے وہاں اسی باب میں ایک اور اسی مضمون کی تفصیلی حدیث بھی ذکر کی ہے جس سے اس حدیث کے معنی واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں وہ حدیث مبارک [illegible]

ان النبی ﷺ لعن الواشمات والمستوشمات والمتنمصات مبتغیات للحسن مغیرات خلق اللہ ھذا حدیث حسن صحیح۔

(جامع ترمذی ابواب الاستیذان جلد ۲، ص ۲۸۵)

ترجمہ:- بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اور ان پر بھی جو اپنے چہرہ کے بال کو چنتی ہیں حسین بننے کے لیے اور اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث مبارک میں "للحسن" کا لفظ واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ جسم پر تغیر و تبدل اور کسی دوسرے کے بال لگانا اس وقت منع ہے جب کہ بغیر کسی ضرورت کے صرف زیب و زینت اور حسن و جمال کے لیے ہو اور وہ احادیث جو اس سلسلہ میں مطلق آئی ہیں ان کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا بالکل اسی طرح جس طرح ایک حدیث مبارک میں ازراہ تکبر کپڑا لٹکانے کی ممانعت آئی ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے.....

لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ثوبہ خیلاء۔

(ترمذی، ابواب اللباس جلد ایک ص ۲۶۱

کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں مطلقاً کپڑا نیچے کرنے پر ممانعت اور وعیدیں آئی ہیں وہاں بھی یہی "خیلاء" یعنی تکبر کی شرط ملحوظ ہوگی اور ان احادیث کو بھی اسی پر محمول کیا

جائے گا کہ جو شخص ازراہ تکبر کپڑا لٹکائے گا وہ گنہ گار ہوگا اور اس پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور جہاں تکبر نہیں ہوگا وہاں نہ یہ وعیدیں ہوں گی اور نہ وہ حرام ہوگا۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یہاں بھی ایک حدیث میں جو للحسن کی قید ہے وہ دوسری مطلق احادیث میں بھی ملحوظ ہوگی اور اس قسم کی تمام احادیث اور آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ صرف حسن اور آرائش کی غرض سے "یہ تبدیلی اور تغیر" اور ایک دوسرے کے بال استعمال کرنا ناجائز ہے جب کہ اعضاء کی پیوندکاری کی صورت میں حسن و جمال کے لیے یہ تغیر و تبدل نہیں ہو رہا بلکہ سخت ترین ضرورت اور ایک جان کو بچانے کے لیے یہ عمل کیا جا رہا ہے جس کی ممانعت اس حدیث سے کوئی ثابت نہیں ہوتی۔

دلیل سادس

مفتی محمد شفیع صاحب اس کے حرام ہونے پر ایک اور دلیل بھی ذکر کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں........

> خدانخواستہ یہ طریق علاج رواج پا گیا تو اس کا ایک نقد نتیجہ تو یہ ہوگا کہ غریب انسان کی آنکھیں اور گردے اور دوسرے اعضاء ایک بکاؤ مال کی طرح بازار میں بکا کریں گے ------- اور خدانخواستہ یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو صرف اپنی موت مرنے والوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کام کے لیے بہت سے انسانوں کے قتل کا ایک بازار گرم ہو جانا ممکن ہے پورے انسانی معاشرہ کی تباہی کا اعلان ہے۔
>
> (انسانی اعضاء کی پیوندکاری، مفتی محمد شفیع، ص ۳۲)

جواب

اگر بالفرض یہ خدشات درست بھی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی وجہ سے اس نیک اور جائز کام کو ہی ختم کر دیا جائے یا حرام قرار دے دیا جائے بلکہ ان حرام کاموں کو روکنے

اور ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی جو اس جائز اور نیک کام میں پیدا کیے جارہے ہیں اس سلسلہ میں فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب شامی نے بڑا پیارا اور جامع اصول بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں.....

ولا تترك لما يحصل عندها من منكرات و مفاسد كاختلاط الرجال بالنساء و غيرها لان القربات لاتترك لمثل ذالك بل على الانسان فعلها و انكار البدع قلت و يويله مامر من عدم ترك اتباع الجنازة و ان كان معها نساء نائحات_

(شامی' کتاب الجنائز' باب زیارت القبور)

زیارت قبور اس لیے نہ چھوڑا جائے گا کہ اس میں غیر شرعی باتیں ہوتی ہیں جیسے مرد اور عورتوں کا اختلاط وغیرہ کیوں کہ اس قسم کی ناجائز باتوں کی وجہ سے مستحبات چھوڑے نہیں جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ وہ ان کاموں کو (زیارت قبور) کرے اور بدعتوں کو روکنے کی کوشش کرے اس کی تائید گزشتہ مسئلہ بھی کرتا ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ یہ حرام کام ہو رہا ہو کہ نوحہ کرنے والی عورتیں ساتھ چل رہی ہوں۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ اعضاء عطیہ کرنے جیسے نیک' عمدہ' بھلائی اور خیر خواہی کے کام میں اگر کسی قسم کی کوئی حرام اور غلط بات رواج پانے لگے تو اس کی وجہ سے اس عظیم انسانی فلاح کے کام کو ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا اور نہ اس کو حرام قرار دیا جائے گا بلکہ اس غلط اور حرام کو روکنے کی کوشش کی جائے گی ورنہ اگر نیک کاموں میں ناجائز

امور کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ نیک اور عمدہ کام ہی حرام ہونے لگیں تو پھر شادی بیاہ بھی حرام ہو جائے گا کیوں کہ اس میں آجکل بیسیوں قسم کی بے ہودہ اور حرام رسمیں رواج پاگئی ہیں جہازوں اور ریلوں اور بسوں کا سفر بھی حرام ہو جائے گا کہ وہاں بھی مرد وزن کا اختلاط ہوتا ہے جو حرام ہے' عرس اور اولیاء کے مزارات پر حاضری بھی حرام ہو جائے گی کہ بعض مزارات پر ہر عرس کے دنوں میں دھمال' جوئے اور سٹے جیسے حرام کام ہوتے ہیں حالانکہ علماء اہل سنت وجماعت کے نزدیک عرس' مزارات اولیاء پر حاضری' شادی بیاہ میں شرکت اور جدید ذرائع آمدورفت کے ذریعہ سفر یہ سب امور جائز ہیں' حرام امور کے ان میں آجانے کی وجہ سے یہ جائز چیزیں حرام نہیں ہو جاتیں ہاں البتہ ان حرام امور کو ان میں داخل ہونے سے روکنے کی ضرور کوشش کی جائے گی۔

دلیل سابع

مفتی محمد شفیع صاحب اس طریقہ علاج کے خلاف ایک ''عقلی دلیل'' لاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں.......

> سب مل کر اس کو رواج دینے کی کوشش بھی کرلیں تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں کوئی اندھا نہیں رہے گا یا کوئی بیمار تندرستی سے محروم نہیں رہے گا تجربہ شاہد ہے کہ ان نئی سے نئی ترقیات ہی کے آپریشن لاموں اور مریض کی قیام گاہوں اور ماہر ڈاکٹروں کے سایوں میں روزانہ ہزاروں مریض دم توڑ کر عدم کی سرحد پار کرلیتے ہیں۔
>
> (انسانی اعضاء کی پیوندکاری' مفتی محمد شفیع' ص ۳۵)

جواب

مفتی محمد شفیع صاحب جیسے ایک مکتبہ فکر کے مقتدر اور مستند مفتی اور عالم کی طرف سے

اس قسم کی دلیل فقیر کے لیے انتہائی حیرت اور استعجاب کا باعث بنی کیوں کہ مفتی صاحب کے اس استدلال کی رو سے پھر تو تمام حکماء اطباء اور ڈاکٹروں کو اپنی اپنی دکانیں کلینک اور ہسپتال بند کردینے چاہئیں کیوں کہ آج دنیا میں لاکھوں اندھے بھی موجود ہیں اور کروڑوں بلکہ اربوں بیمار بھی موجود ہیں اور یہی نہیں بلکہ شرح اموات بھی بڑھ گئی ہے ہر روز سیکڑوں لوگ مر بھی رہے ہیں--------- سبحان اللہ ! مفتی صاحب کی کیا دلیل ہے.....؟ کیا کسی بھی طریقہ علاج کی یہ گارنٹی دی جاسکتی ہے کہ اس میں سوفیصد شفاء ہی شفاء ہے یا اس علاج سے کبھی کوئی مرے گا نہیں اگر نہیں دی جاسکتی اور عدم جواز کی یہی مذکورہ دلیل ہو تو پھر اس ایک بیچارے اعضاء کی پیوندکاری کے علاج کا کیا قصور.........؟ دنیا بھر کے سارے علاجوں کو اور ہر قسم کی دواؤں کو ممنوع قرار دے دیجئے کہ چونکہ ان علاجوں اور دواؤں کے باوجود لوگ بیمار بھی ہورہے ہیں اور روزانہ لوگ مر بھی رہے ہیں لہٰذا یہ سب علاج ناجائز ہیں' کوئی کسی قسم کا علاج نہ کرے.....!

دلیل ثامن

اسی قسم کی ایک اور دلیل سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں

> ادھر ایک شخص کی موت واقع ہوئی اور اس کے گھر میں کہرام مچا اور ادھر آنکھوں والے اس کی آنکھیں نکالنے آگئے ہاتھوں اور ٹانگوں کے شعبہ سے اس کے ہاتھ اور ٹانگیں کاٹ کر لے جانے والے آگئے اور دل کے ڈیپارٹمنٹ سے آلات لیے اس کا سینہ چیر کر دل نکالنے والے آگئے ------ کیا واقعی انسانیت یہی سکھاتی ہے ....؟ ایک مسلمان معاشرہ میں یہ چیز چل نکلے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اقرباء مرنے والے کا کیا بچا کھچا منہ دیکھنے آئیں گے نماز جنازہ کیا چیز سامنے رکھ کر پڑھی جائے گی اور قبر میں کیا شے لے جاکر دفن کی جائے گی۔

جواب

جو نقشہ مولانا مودودی صاحب نے کھینچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلو اور شرائط ان کے مد نظر نہیں رہے کیوں کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس عضو کے لیے وہ آدمی وصیت کر کے جائے گا صرف اس عضو کا لینا جائز ہو گا باقی کسی دوسرے عضو کی طرف کسی ڈاکٹر یا سرجن کو اس ارادے سے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی جائز نہیں ہو گا اور وہ عضو بھی ورثاء کی اجازت کے بعد لیا جا سکے گا ورنہ نہیں' لہٰذا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ایک یا دو عضو جس کی اس نے وصیت کی ہو گی اور ورثاء جس پر راضی ہوں گے وہ عضو لیا جائے گا اس کے علاوہ باقی سارا جسم جوں کا توں ہو گا اس کے اقرباء جی بھر کے اس کا آخری دیدار بھی کر سکیں گے نماز جنازہ بھی پڑھیں گے اور اپنے ہاتھوں سے اس کو قبر میں بھی دفن کریں گے۔

انتقال خون

گزشتہ اوراق میں اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر جو مفصل بحث کی گئی اس سے انتقال خون کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ جب ضرورت کے تحت کسی انسان کا عضو لے کر دوسرے کے لگانا جائز ہے تو ایک آدمی کا خون دوسرے آدمی کے چڑھانا بھی جائز ہو گا لیکن اس کے لیے بھی وہ ہی شرائط ہوں گے کہ کسی مریض کی ہلاکت یا تکلیف شدید کا خطرہ ہو اور ماہر معالج کا یہ کہنا ہو کہ اس کے بغیر اس کی صحت کا امکان نہیں تو ایسی صورت میں خون کا چڑھانا جائز ہو گا محض تقویت بدن یا حسن و صحت میں اضافہ کے لیے انتقال خون ناجائز ہے۔

دلائل

اس کی دلیل وہ ہی ہے جو اوپر گزری کہ اگرچہ سیال خون نجس ہے اور ناپاک ہوتا ہے اس کے علاوہ اجزائے انسانی سے نفع حاصل کرنا احترام انسانیت کے منافی ہوتا ہے لہٰذا ان دونوں وجوہات کی بناء پر خون کا چڑھانا ناجائز اور حرام ہونا چاہیے لیکن قرآن نے ضرورت کے وقت جب سور اور مردار جیسی اشد حرام چیز کا کھانا جائز قرار دے دیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو جن کی ناک کٹ گئی تھی سونے کی ناک لگانے کی اجازت

دے دی جب کہ سونے کا استعمال مرد کے لیے حرام ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت حرام چیز کا استعمال اور اجزائے انسانی سے انتفاع جائز ہو جاتا ہے لہٰذا انسانی خون سے علاج بھی ضرورت اور حاجت کے وقت جائز ہو جائے گا' اس پر مزید دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے جس کو امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل فرمایا ہے.....

عن انس قال قدم اناس من عكل او عرينة فاجتووا المدينة فامرهم النبى ﷺ بلقاح و ان يشربوا من ابوالها و البانها فانطلقوا فلما صحوا قتلوا راعى النبى ﷺ۔

(صحیح بخاری' جلد ایک ص ۳۶)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عکل یا عرنیہ سے کچھ لوگ آئے اور انہیں مدینہ راس نہیں آیا اور وہ بیمار ہو گئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہوں کو قتل کر دیا۔

دیکھئے پیشاب نجس اور حرام چیز ہے لیکن آپ نے بطور علاج انہیں پینے کا حکم دیا ثابت ہوا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت جان بچانے یا شفاء حاصل کرنے کے لیے بھی حرام چیز کا استعمال جائز ہو جاتا ہے لہٰذا خون اگرچہ حرام ہے لیکن ایسے موقعہ پر اس کو چڑھا کر اس کے ذریعہ علاج کرنا بھی جائز ہو جائے گا چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ اسی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا گیا.....

يجوز للعليل شرب الدم و البول و اكل الميتة للتداوى اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاء فيه

و لم يجد من المباح ما يقوم مقامة و ان قال الطبيب يتعجل شفائك فيه وجهان۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۴، ص ۱۱۴)

اور بیمار کے لیے خون اور پیشاب کا پینا اور مردار کا کھانابطور علاج کے جائز ہے بشرطیکہ کوئی مسلمان طبیب یہ بتائے کہ اس کی شفاء اسی میں ہے اور وہ کوئی دوسری مباح چیز نہ پائے جو اس کے قائم مقام ہو' اور اگر اس کے متبادل کوئی مباح چیز موجود تو ہو لیکن طبیب یہ کہے کہ اس میں جلد شفاء ہوگی۔ تو اس میں دو رائے ہیں ایک جواز کی دوسری عدم جواز کی۔

اس کے علاوہ فقہ کے اندر ایک اور جزئیہ بھی ملتا ہے جس سے استعمال خون کا جواز صراحت کے ساتھ ثابت ہوجاتا ہے......

ولاباس بان يسعط الرجل بلبن المرأة و يشربه للدواء

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۴، ص ۱۱۴)

اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ بطور علاج آدمی کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالدیا جائے یا اس کو پلایاجائے۔

معلوم ہوا کہ علاج کی صورت میں اجزائے انسانی سے انتفاع جائز ہے کیوں کہ جس طرح دودھ کے جزء انسانی ہونے کے باوجود یہاں اس سے علاج اور انتفاع کو جائز قرار دیا جارہا ہے اسی طرح خون سے بھی جزء انسانی ہونے کے باوجود انتفاع اور علاج جائز ہوگا۔

شوہر کا خون بیوی کو دینا

اکثر یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ شوہر کا خون بیوی کو اور بیوی کا خون شوہر کو دینے سے نکاح

میں کوئی فرق تو نہیں پڑے گا......؟ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ شریعت اسلامیہ میں محرمیت کو صرف نسب' رضاعت اور مصاہرت میں منحصر کردیا ہے' اور رضاعت میں بھی ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا شوہر کا خون بیوی کو یا بیوی کا خون شوہر کو چڑھانا جائز ہوگا اس سے ایک دوسرے کے لیے محرمیت ثابت نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کے نکاح پہ اس کا کوئی اثر پڑے گا۔

مانعین کی دلیل

جو حضرات اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز اور انتقال خون اور الکحل ملی ہوئی دواؤں اور دیگر حرام اشیاء سے علاج کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے........

عن ام سلمة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ ان الله تعالیٰ لم یجعل شفاء امتی فیما حرم علیها۔ (شامی' ج ا ر ص ۱۹۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

بیشک اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفاء ان چیزوں میں
نہیں رکھی جو ان پر حرام کردی گئی ہیں

جب حدیث مبارک سے معلوم ہوگیا کہ حرام اشیاء میں شفاء ہے ہی نہیں تو پھر حرام اشیاء سے شفاء کی امید پر علاج کب جائز ہوگا.........؟

جواب

علامہ بدرالدین عینی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں.......

و اجیب بانه محمول علی حالة الاختیار اما فی حالة الاضطرار فلا یکون حراماً کالمیتة للمضطر۔

(عمدۃ القاری، علامہ بدرالدین عینی، ج ۳، ص ۱۵۵)

اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے جب آدمی کو حلال اور حرام دونوں پر اختیار ہو تو اس صورت میں بیشک حرام کے اندر شفاء نہیں لیکن جب حالت اضطرار ہو کہ حرام کے علاوہ کوئی اور شفاء کی صورت نہ ہو تو اس وقت وہ چیز حرام ہی نہیں رہتی لہٰذا اب اس میں شفاء بھی ہوگئی جیسے مضطر کو مردار کھانا جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث اس صورت کے لیے ہے جب حلال و حرام دونوں قسم کی
موجود ہوں اور دونوں سے شفاء حاصل ہو سکتی ہو تو اس وقت حرام کے ذریعہ
ہوگا اور اس وقت اس حرام شی میں شفاء نہیں ہوگی لیکن اضطرار کی
ہے کیوں کہ اس وقت وہ حرام چیز مضطر کے لیے حرام نہیں رہتی ...یت کی
میں شفاء ہوگی اور اس سے حالت اضطرار میں علاج ہو... جائے خصوصاً

پوسٹ مارٹم

پوسٹ مارٹم کئی ضرورتوں کی بناء پر کیا جاتا ہے.........

وجہ اولیٰ

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کسی مقدمہ کی تحقیق کے سلسلہ میں کیا جائے اور اس کے ذریعہ کسی بے گناہ کی خلاصی ہوجائے اور اس کی جان بچ جائے ایسی صورت میں پوسٹ مارٹم کرانا یقیناً جائز ہوگا اور اس کی دلیل وہ ہی فقہی جزئیہ ہوگا جو گزشتہ اوراق میں گزرا کہ کوئی حاملہ مرجائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو اس عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے گا' اس سے ثابت ہوا کہ میت کی حرمت اپنی جگہ پر لیکن کسی کی جان بچانے کے لیے کسی کی مشکل آسان کرنے کے لیے میت کی حرمت کا خیال نہیں کیا جائے گا اور پوسٹ مارٹم کر کے کسی ملزم کی خلاصی اور رہائی کو ترجیح دی جائے گی۔

وجہ ثانیہ

دوسری پوسٹ مارٹم کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے کسی عضو کے لیے وصیت کردی کہ میرے مرنے کے بعد میرا فلاں عضو نکال کر کسی کے لگا دیا جائے اس کی بحث مفصل گزری کہ ایسی صورت میں بھی اس میت کا آپریشن کر کے وہ عضو لینا جائز ہوگا اس پر قرآ[illegible] راقوال فقہاء سے دلائل ہم نے مفصل ذکر کردیئے۔

شرعی لحاظ [illegible] یہ ہے کہ میڈیکل کالج کے طلباء کو آپریشن وغیرہ کی مشق [illegible] صل کر کے دوسرے زندہ لوگوں کے صحیح آپریشن کر کے [illegible] طا کریں اور تکلیف دہ امراض سے ان کو نجات [illegible] (Dis[illegible]) کہا جاتا ہے' میری رائے یہ ہے کہ

دلائل

اس پر تمام دلائل وہی لاگو ہوں گے جو انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے سلسلہ میں ہم ما قبل ذکر کر آئے ہیں بالخصوص "دلیل ثانی" یہاں خاص طور پر صادق آئے گی کہ جہاں دو برائیاں ناگزیر ہو جائیں وہاں بڑی برائی کو چھوڑ دیا جائے گا اور کم تر برائی کو اختیار کر لیا جائے گا تو چونکہ یہاں بھی دو برائیاں ہیں ایک میت کی بے حرمتی جو یقیناً بڑی برائی ہے لیکن کسی میڈیکل کے طالب علم کا صحیح مشق اور تجربہ حاصل نہ کر کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں زندہ لوگوں کے آپریشن خراب کر دینا اور ان کو موت کے منہ میں دھکیل دینا یہ یقیناً اس سے بھی بڑی برائی ہوگی لہٰذا مذکورہ بالا قاعدہ کی رو سے اس بڑی برائی کو چھوڑ دیں گے اور چھوٹی برائی کو اختیار کر لیں گے یعنی پوسٹ مارٹم کے ذریعہ میت کی بے حرمتی کو برداشت کر لیں گے تاکہ وہ صحیح آپریشن سیکھ کر سیکڑوں اور ہزاروں بندگان خدا کی جان بچا سکے اور ان کو موذی امراض سے نجات دلا سکے۔

مانعین کی رائے

حضرت مولانا غلام رسول سعیدی زید مجدہ پوسٹ مارٹم کی پہلی صورت کو جائز اور آخری دو صورتوں کو ناجائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں..........

> ایسی صورت میں جب کہ پوسٹ مارٹم کے ذریعہ کسی بے قصور کی جان بچانے کا مسئلہ ہو تو پوسٹ مارٹم کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے ------------ سرجری کی مشق کے لیے جانوروں اور غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے اور مسلم اموات پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں اور غیر مسلم اموات کا حصول اس قدر دشوار نہیں ہوتا جس کی بناء پر مسلمان میت کی چیر پھاڑ کر کے اس کی بے حرمتی کی جائے خصوصاً

اس صورت میں جب کہ پلاسٹک موڈل سے بھی
تعلیم شروع کی جاچکی ہے۔ (شرح صحیح مسلم)

جوابات

حیرت ہے جہاں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ صرف ایک جان بچ رہی ہے وہاں مولانا سعیدی صاحب پوسٹ مارٹم کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دے رہے ہیں اور جہاں ایک ڈاکٹر کو آپریشن کا ماہر بنا کر سیکڑوں ہزاروں جانیں بچائی جارہی ہیں وہاں پوسٹ مارٹم کو ناجائز فرمارہے ہیں.........؟ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ گمان ہے کہ تیسری صورت میں طلباء کو انسانی جسم کی پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہاں پلاسٹک ماڈل اور حیوانی جسموں کی صورت میں اس کا متبادل موجود ہے حالانکہ میں نے ڈاکٹروں اور اس فن کے ماہروں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ پلاسٹک ماڈل میں تو آپریشن کے تجربہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں حیوانی اجسام میں آپریشن ضرور ہوتا ہے لیکن حیوانی اجسام انسانی اجسام کا ہرگز متبادل نہیں ہوسکتے ان دونوں قسم کے اجسام، ان کے عوارضات، ان کی خصوصیات، اس کا طرز اور انداز آپریشن، ان کا طرزِ علاج الغرض سب چیزوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے صرف جانوروں پر مشق کرکے آدمی کبھی بھی کسی انسان کے آپریشن میں مہارت حاصل نہیں کرسکتا اگر ایسا ہوتا تو ہر "وٹینری ڈاکٹر" اچھا سرجن بھی ہوتا ہر گائے بھینس کا معالج ہمارا اور آپ کا بھی اچھا معالج ہوتا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ محض جانوروں کے علاج کی مہارت حاصل کرکے کسی انسان کے علاج اور اس کے آپریشن کی مہارت حاصل کرنے کا نظریہ طبی نقطۂ نظر سے بالکل لایعنی اور جدید سرجری سے ناواقفیت پر مبنی ہے لہٰذا ثابت ہوا طلباء کے لیے اس قسم کا پوسٹ مارٹم آپریشن کا تجربہ حاصل کرنے اور سیکڑوں جانیں بچانے کے لیے نہایت ضروری ہے اور اس کا کوئی متبادل بھی نہیں ہے لہٰذا اس اجتماعی اور بڑے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک تحریم میت کے انفرادی فائدہ کو ترک کردیں گے اور سیکڑوں جانوں کو بچانے اور ان کو صحت یاب کرنے کی خاطر اس پوسٹ مارٹم کی بھی اجازت شرعی طور پر دے دی جائے گی۔

علامہ سعیدی صاحب کا یہ فرمانا کہ "اس قسم کے پوسٹ مارٹم کے لیے غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے" تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اول تو تکریم آدمیت کے لحاظ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں چنانچہ اس پر فقہ کا یہ جزئیہ شاہد ہے.......

وشعر الانسان لکرامۃ الادمی ولو کان کافرا۔[1]

"اور انسان کے بالوں کی بیع ناجائز ہے بوجہ آدمی کی عزت اور کرامت کے اگرچہ کافر ہی ہو"

معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ میں آدمی خواہ مسلمان ہو یا کافر "تکریم آدمیت" دونوں میں ملحوظ ہوگی اور اس عزت کے باعث دونوں کے بالوں کی بیع ناجائز ہے' اسی طرح ایک اور جزئیہ ملاحظہ ہو.......

و ان لم یجد الا ادمیا محقون الدم لم یبح له قتله اجماعاً و لا اتلاف عضو مه مسلما کان او کافراً لانه مثله فلا یجوز ان یبقی نفسه باتلافه و هذ لا خلاف فیه۔

اور اگر مضطر نہ پائے مگر ایسا آدمی جس کا خون محفوظ ہو شرعاً (یعنی مسلمان یا ذمی کافر) تو اس مضطر کے لیے ایسے آدمی کا قتل جائز نہیں ہوگا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو کیونکہ اس آدمی کی زندگی مضطر کی زندگی کی مثل ہے پس اس کو جائز نہیں کہ اس کو تلف کرکے اپنی زندگی بچائے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آدمی مسلمان ہو یا کافر اسلام کی نظر میں دونوں کی جان قیمتی ہے' انسانی تکریم و حرمت کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں جو مسلمان کی جان کا حکم ہوگا وہ ہی کافر کی جان کا حکم ہوگا اگر مسلمان کے جسم کی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے تو اسلام

کی نظر میں کافر کے جسم کی بھی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے' لہٰذا عدم القائل بالفصل کی بناء پر جب آپ نے غیر مسلم کی اموات کے پوسٹ مارٹم کی طلباء کو اجازت دے دی تو مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کی اجازت خود بخود ثابت ہو جائے گی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں غیر مسلم اقلیت میں ہیں اول تو وہاں غیر مسلم اموات ہی بہت کم تعداد میں ہوں گی ان میں سے بھی اہم اور باا ثر شخصیات کو ان کے ورثاء طلباء کے لیے تختہ مشق بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے اس طرح سال میں اگر اکا دکا کوئی جسم تجربہ کے لیے مل بھی گیا تو کیا وہ تمام ملک کے تمام میڈیکل کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لاکھوں طلباء کے لیے کافی ہوگا......؟ کیا پھر ایسے مسلم ممالک میں سرجری کے یہ شعبے قائم رہ سکیں گے......؟ کیا ایسے ممالک میں لوگ اچھے سرجنوں سے محروم نہیں ہو جائیں گے......؟ اور کیا وہاں کے لوگ ماہر سرجن کے نہ ہونے کے باعث اپنے پیچیدہ امراض میں بغیر آپریشن کے تڑپ تڑپ کر جانیں نہیں دیں گے......؟ اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں گے نہیں......؟

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ "غیر مسلم اموات" کی قید لگانا درست نہیں اس عظیم فائدہ کی خاطر مسلم اموات کا بھی پوسٹ مارٹم درست ہوگا۔

روزہ میں انجیکشن

یہ بھی ایک جدید نوعیت کا طبی اور شرعی مسئلہ ہے کہ آیا روزہ کی حالت میں انجیکشن لگایا جاسکتا ہے یا نہیں ......؟ یا گلوکوز چڑھایا جاسکتا ہے یا نہیں......؟ انجیکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں......؟

اس کے متعلق علماء کی تحقیق یہ ہے کہ انجیکشن خواہ گوشت میں لگایا جائے یا رگ میں لگایا جائے بہر حال اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

دلیل اول

اس کی دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں مطلقاً کسی بھی چیز کا بدن میں جانا روزہ کو نہ

توڑتا بلکہ روزہ ٹوٹنے کے لیے یہ شرط ہے کہ "منفذ یعنی کسی راستہ سے کوئی چیز معدہ یا دماغ تک پہنچائی جائے تب روزہ ٹوٹتا ہے" لہٰذا اگر کوئی شے بدن کے اندر تو گئی لیکن معدہ یا دماغ کے اندر نہیں گئی تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا یا معدہ کے اندر بھی چلی گئی لیکن کسی راستہ سے نہیں گئی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچی تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا ———— دیکھئے یہ شرعی مسئلہ ہے کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے یا دوا ڈالنے سے اور سر یا بدن پر تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ اس کا اثر حلق میں کیوں نہ محسوس ہو کیونکہ حکماء کے نزدیک آنکھ اور معدہ کے درمیان کوئی "منفذ" یعنی راستہ نہیں ہے یہ اثر مسامات کے ذریعہ حلق اور حلق سے معدہ تک پہنچا ہے لہٰذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا چنانچہ شامی میں صاف فرمایا گیا.........

او ادهن او اكتحل او احتجم و ان وجد طعمه فى حلقه قال فى النهر لان الموجود فى حلقه اثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علي ان من اغتسل فى ماء فوجد برده فى باطنه انه لا يفطر۔

(شامی، ابن عابدین ج ۲ ص ۳۹۵)

یعنی علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ سرمہ اور تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ اس کا اثر حلق میں کیوں نہ محسوس ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حلق میں جو اثر محسوس ہوا ہے یہ مسامات کے ذریعہ آیا ہے جب کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز بذریعہ راستہ داخل ہو، پھر اس پر دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو کوئی شخص روزہ میں غسل کرے اور پانی کی ٹھنڈک اپنے بدن کے اندر محسوس کرے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ یہ پانی کا اثر مسامات کے ذریعہ اندر گیا ہے منفذ اور راستہ کے ذریعہ نہیں گیا ———— لہٰذا ثابت ہوا کہ انجیکشن کے ذریعہ جو دوا اندر جاتی ہے اول تو وہ معدہ میں نہیں پہنچتی اور اگر معدہ میں پہنچتی

بھی ہو تب بھی چونکہ کسی راستہ کے ذریعہ معدہ تک نہیں پہنچ رہی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچ رہی ہے لہٰذا یہ مفسد صوم نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

دلیل ثانی

اسی طرح کان ناک یا مقعد میں دوا وغیرہ ڈالنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے کیوں کہ ان کے اور معدہ کے درمیان ایسے راستے موجود ہیں جن سے دوا وغیرہ سیدھی معدہ تک پہنچ جاتی ہے، ثابت ہوا کہ روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جب منافذ یعنی راستوں کے ذریعہ کوئی چیز معدہ تک پہنچے جب کہ **انجیکشن** میں ایسی صورت نہیں ہوتی لہٰذا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

دلیل ثالث

یہ بھی شرعی مسئلہ ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں اگر کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جب کہ مرد کے عضو تناسل میں اگر کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو امام اعظم اور امام محمد رحمت اللہ تعالیٰ **علیہما** کے نزدیک اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ عورت کے جسم میں ایک **منفذ** یعنی راستہ معدہ تک موجود ہے جس سے اس دوا وغیرہ کے معدہ تک پہنچنے کا امکان ہے جب کہ مرد کے جسم میں براہ راست کوئی راستہ معدہ تک موجود نہیں ہے بلکہ مثانہ کے راستہ سے مسامات کے ذریعہ معدہ تک راستہ ہے لہٰذا اس کا اثر اگر معدہ تک پہنچا بھی تو اس سے روزہ اس لیے نہیں ٹوٹے گا کہ وہ دوا وغیرہ معدہ تک کسی راستہ سے نہیں پہنچی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچی ہے۔

دلیل رابع

اسی طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام محمد رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اگر کوئی دوا وغیرہ مثانہ تک پہنچ جائے تو ان کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب کہ امام ابو یوسف رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ صاحب ہدایہ اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مثانہ اور معدہ کے درمیان کوئی **منفذ** اور راستہ نہیں ہے جب کہ امام ابو یوسف کے

نزدیک ان کے درمیان منفذ اور راستہ موجود ہے لہٰذا جو دوا مثانہ میں ہوگی وہ امام اعظم کے نزدیک اگرچہ اس کا اثر مسامات کے ذریعہ معدہ تک ضرور پہنچے گا کیوں کہ جب معدہ سے مسامات کے ذریعہ مثانہ میں پیشاب آسکتا ہے تو مثانہ سے بھی معدہ میں ان ہی مسامات کے ذریعہ دوا وغیرہ کا اثر بھی جا سکتا ہے لیکن چوں کہ کسی منفذ اور راستہ کے ذریعہ وہ اثر نہیں جا رہا لہٰذا یہ مفسد صوم نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جب کہ امام ابو یوسف رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک چونکہ مثانہ اور معدہ کے درمیان ایک راستہ موجود ہے لہٰذا اس راستہ سے دوا معدہ تک پہنچ جائے گی لہٰذا روزہ ٹوٹ جائے گا' چنانچہ ثابت ہوا کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا یا گلوکوز وغیرہ بدن میں پہنچایا جاتا ہے وہ چونکہ کسی راستہ کے ذریعہ معدہ تک نہیں پہنچتا اس لیے مفسد صوم نہیں ہدایہ کی عبارت ملاحظہ ہو......

فکانه وقع عند ابي يوسف ان بينه وبين الجوف منفذا ولهذا يخرج منه البول ووقع عند ابى حنيفة ان المثانة بينهما حائل والبول يترشح منه و هذا ليس من باب الفقه_

دلیل خامس

علامہ کاسانی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الصنائع میں اسی اصول کو بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ تحریر فرما کے اس مسئلہ کو خوب حل فرمایا آپ فرماتے ہیں.....

وما وصل الي الجوف او الى الدماغ من المخارق الاصليه كالانف والاذن والدبر بان استعط او احتقن او اقطر فى اذنه فوصل الى الجوف او الى الدماغ فسد صومه ___ الى ___ و اما ما وصل الى الجوف او الى

الدماغ من غير مخارق الاصليه بان داوئ
الجائفه والآمة فان داواها بدواء يابس لا
يفسد لانه لم يصل الى الجوف ولا الى
الدماغ ولو علم انه وصل يفسد كما قول
ابی حنیفة۔

(بدائع ج ۲' ص ۹۳)

یعنی ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شی خواہ کسی اصلی راستہ سے یا کسی مصنوعی راستہ سے معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا جیسے ناک کان مقعد وغیرہ کہ یہ اصلی راستے اور خلائیں ہیں ان میں کوئی چیز ڈالی جائے گی تو وہ معدہ تک پہنچے گی لہٰذا اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور ایک غیر اصلی راستہ ہے مثلاً سر میں یا معدہ میں کوئی بہت گہرا زخم ہو گیا اور اتنا بڑا سوراخ اور مصنوعی راستہ بن گیا کہ اگر کوئی دوا ڈالیں تو معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا' ان عادی یا غیر عادی راستوں کے علاوہ مسامات کے ذریعہ اگر کوئی دوا وغیرہ معدہ تک پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے مذکورہ بالا دونوں زخموں کے علاوہ کہیں اور کوئی زخم ہے تو اگر اس میں دوا ڈالنے سے بھی وہ دوا مسامات یا رگوں کے ذریعہ معدہ تک پہنچ جائے گی لیکن چونکہ کسی راستہ اور خلاء کے ذریعہ براہ راست معدہ تک نہیں پہنچ رہی مسامات کے ذریعہ پہنچ رہی ہے لہٰذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

میرے والد گرامی اور مرشد نامی مفتی اعظم پاکستان حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوری رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے روزہ کے متعلق بڑا جامع ضابطہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا.......

”دماغ اور پیٹ میں کوئی شی خواہ عادی راہوں
مثلاً کان ناک پاخانہ عورت کی شرمگاہ کی جگہ سے
داخل ہو یا کوئی غیر عادی راہ کھل گئی ہو مثلاً پیٹ کا یا
دماغ کا زخم ہو اس راہ سے داخل ہو بس اگر یہ شی
مصلح بدن ہے تو خواہ مثل حقنہ وغیرہ کے خود روزہ دار

نے اپنے فعل سے اندر داخل کیا ہو یا کسی اور نے
بہر صورت روزہ فاسد ہوجائے گا اور اگر اندر پہنچنے
والی چیز غیر مصلح بدن ہے تو خود روزہ دار کے فعل
سے وہ چیز اندر پہنچی ہے تو روزہ جاتا رہے گا ورنہ
نہیں مثل تیر اور چھرے وغیرہ سے کہ اگر کسی نے
ایسا مارا کہ پیٹ میں غائب ہوگیا تو روزہ نہیں گیا اور
خود ایسا کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا ـــــ اگر کسی راہ
سے تو بدن یا دماغ میں کوئی چیز نہیں پہنچی مگر مسامات
کے ذریعہ مثلاً تیل کا اثر یا پانی کی ٹھنڈک اندر پہنچی تو
اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا ـــــــ اگر سر
یا دوا آنکھ میں ڈالی یا مرد نے اپنے ذکر کے سوراخ
میں تیل ڈالا تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا
اگرچہ حلق میں مزا دوا کا محسوس ہو کیوں کہ یہ اثر
مسامات کے ذریعہ پہنچا' نیز مثانہ سے جو چیز اندر جاتی
ہے وہ بھی مسامات سے مترشح ہوکر جاتی ہے لہٰذا
یہاں بھی روزہ فاسد نہیں ہوا ـــــ **انجیکشن**
سے براہ راست معدہ یا دماغ میں کوئی چیز نہیں پہنچتی
لہٰذا مفسد صوم نہیں یہ تو فتویٰ ہے اور تقویٰ یہ ہے
کہ پرہیز کرو تاکہ روزہ کا مقصد فوت نہ
ہو ـــــــــــــ"

(رکن دین حصہ کتاب الصیام' مفتی محمد محمود الوری"
ص ۷۳/۷۵)

الکحل والی دوائیں

الکحل' اسپرٹ' مینتھول وغیرہ کے متعلق میرے جدامجد (نانا) برصغیر پاک وہند کے

مفتی اعظم حضرت قبلہ شاہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے آج سے تقریباً ساٹھ ستر سال قبل بڑی نفیس تحقیق فرما کے جامع مسجد فتح پوری دہلی سے ایک فتویٰ جاری فرمایا تھا جو آج بھی ہمارے لیے بہترین مینارہ نور ہے اور الکحل و اسپرٹ وغیرہ جن کا اس زمانہ میں اس قدر کثرت سے استعمال ہو گیا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہو گیا ہے اس کا بہترین حل پیش فرمایا ہے ذرا غور فرمائیے کہ کوئی روغن ہو' کوئی انگریزی دوا ہو' کوئی روشنائی ہو' کوئی پرفیوم یا عطر ہو' کپڑوں کے رنگ ہوں یا ڈیٹول اور فنائل جیسے گھر میں روزمرہ صفائی اور ستھرائی کے لیے استعمال میں آنے والی چیزیں ہوں' گلے کو صاف کرنے والی گولیاں ہوں یا نزلہ اور زکام جیسے امراض کے لیے معمولی سی دوائیں ہوں الغرض الکحل اسپرٹ وغیرہ ہر جگہ آپ کو نظر آئے گی ایسی کثرت استعمال چیز کا حضرت قبلہ مفتی اعظم رحمت اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑا بہترین حل پیش فرما کے مسلمانوں کے لیے بڑی آسانی اور سہولت پیدا فرما دی ہے۔

آپ کی تحقیق کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ شراب کی بہت سی اقسام ہیں لیکن جو بالاجماع حرام ہے اور جس شراب کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اس شراب کو شریعت میں "خمر" کہتے ہیں اور خمر کی تعریف یہ ہے کہ......

الخمر وھی النی من ماء العنب اذا غلی
واشتد وقذف بالزبد و حرم قلیلھا و کثیرھا
لعینھا وھی نجاسة مغلظة کالبول و حرم
الانتفاع بھا ولا یجوز بیعھا ولا یجوز بھا
التداوی __ انتھا ملتقطا_

یعنی خمر اس کچے شیرہ انگور خالص کا نام ہے جو جوش مار کر نشہ لے آیا ہو' پس یہ وہ شراب ہے جو قطعاً حرام ہے اور یہ نجاست غلیظہ ہے یہ تھوڑی ہو یا زیادہ اس کے ایک قطرہ کا بھی نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع و شراء جائز ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز ہے' کسی دوا میں بھی اس کو سوائے اضطرار کے استعمال نہیں کیا جا سکتا' اس کے علاوہ جو دوسری شرابیں ہیں ان کے حکم مختلف ہیں جن کی تفصیل یہ ہے......

باذق ـــــ شیرہ انگور کو پکا کر اگر شراب بنائی جائے اور شیرہ پک کر ثلث سے زائد رہے اور پھر

جوش مار کر نشہ لے آئے تو ایسی شراب کو باذق کہتے ہیں۔

منصف۔۔۔اور اگر جل کر نصف رہ جائے تو ایسی شراب کو منصف کہتے ہیں۔

نقیع زبیب۔۔۔اگر پانی میں منقی بھگوئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کر نشہ لے آئے تو اس کو نقیع زبیب کہتے ہیں۔

سکر۔۔۔اگر پانی میں چھوارے بھگودیئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کر نشہ لے آئے تو اس کو سکر کہتے ہیں۔

ان چاروں شرابوں کا حکم یہ ہے کہ یہ قلیل تعداد میں ہو یا کثیر تعداد میں ہر حال میں حرام ہے البتہ ان کی نجاست کے بارے میں اختلاف ہے بعض روایات سے اس کا نجاست غلیظہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور بعض سے نجاست خفیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح ان کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر تھوڑا سا جوش دے لیا جائے تو دوا وغیرہ کے لیے اس مقدار تک ان کا پینا حلال ہے جس میں یہ نشہ پیدا نہ کرے' چنانچہ درمختار میں ہے........

نبیذ التمر والزبیب ان طبخ ادنی طبخه یحل شربه وان اشتد وھذا اذا شرب منه بلا لھو وطرب فلو شرب للھو و طرب فقلیله و کثیره حرام۔

کھجور اور منقا کی شراب کو اگر تھوڑا سا پکا لیا جائے تو اس کا پینا حلال ہے اگرچہ وہ گاڑھا ہو جائے اور حلت اس صورت میں ہے جب کہ وہ اس کو لھو لعب اور محض عیش و عشرت کے لیے نہ پیئے ورنہ اس وقت اس کا زیادہ اور تھوڑا دونوں طرح حرام ہے۔

ان پانچ شرابوں کے علاوہ شہد انجیر گیہوں جو گنا چقندر الغرض کسی بھی چیز یا فارمولے سے جو شراب بنائی جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو کسی غرض صالح یعنی دوا وغیرہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس مقدار میں جس میں وہ نشہ نہ لائے اس کا استعمال جائز ہوگا' چنانچہ

ہدایہ عالمگیری اور در مختار میں ہے.........

نبیذ العسل والتین والبر والشعیر والذرۃ
یحل سواء طبخ او لا بلا لھو وطرب۔

ترجمہ = شہد' انجیر' گیہوں' جو اور مکئی کی شراب
حلال ہے خواہ اس کو پکایا جائے یا نہیں بشرطیکہ کھیل
کود اور عیش و عشرت کے لیے نہ ہو۔

ان کی یہ حلت امام اعظم ابو حنیفہ رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسف رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق ہے جب کہ حضرت امام محمد رحمت اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی ایک اصح روایت مذہب شیخین کے موافق موجود ہے **کما صرح بھانی العالمگیریہ و فتح القدیر و غیرھما** البتہ امام محمد رحمت اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان شرابوں کی قلیل اور کثیر تعداد دونوں حرام ہیں اور چونکہ فاسق و فاجر لوگوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اس کا استعمال کثرت سے شروع کر دیا تھا اور اس سے ان کا مقصد سکر اور نشہ حاصل کرنا تھا اس لیے علماء نے امام محمد رحمت اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول پر فتویٰ دے دیا کہ ان کا استعمال قلیل ہو یا کثیر سب حرام ہے' چنانچہ عینی میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا.......

الفتوی فی زماننا بقول محمد رحمہ اللہ
تعالی لغلبۃ الفساد۔

ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے بوجہ
غلبہ فساد کے۔

"**لغلبہ الفساد**" کی علت سے معلوم ہوا کہ در حقیقت اس ممانعت کی وجہ "فسق و فجور" کا سد باب کرنا مقصود ہے کہ لوگ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر نشہ کے لیے عام طور پر شراب پینا نہ شروع کر دیں لہٰذا جہاں یہ علت نہ ہو اور واقعی کوئی ضرورت ہو مثلاً دوا وغیرہ کے لیے وہاں یقیناً اس کا اتنی قلیل مقدار میں استعمال کہ سکر اور نشہ پیدا نہ کرے یقیناً جائز ہو گا کہ

اس صورت میں اس کی علت پر امام اعظم، امام ابو یوسف اور ایک اصح روایت کے مطابق امام محمد تینوں متفق ہیں۔

اس تمہید کے بعد آیئے اب دیکھتے ہیں کہ الکحل یا مینتھل وغیرہ ملی ہوئی دواؤں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے......؟

میں نے آج کے ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹروں اور انگریزی دواساز کمپنیوں کے مالکان سے جب الکحل وغیرہ کے متعلق تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ الکحل عام طور پر گنے اور چقندر وغیرہ سے بنائی جاتی ہے یا مصنوعی طریقہ سے دو فارمولوں کو ملا کر بنائی جاتی ہے، لہٰذا اس کا حکم وہ ہی ہوگا جو چقندر وغیرہ کی شرابوں کا حکم ابھی تفصیل سے گزرا کہ بطور دوا اتنی مقدار میں اس کا استعمال جائز ہوگا کہ جس میں یہ نشہ نہ لائے جب کہ عام طور پر انگریزی دوا میں اتنی ہی مقدار میں ڈالی جاتی ہے جب کہ دوا کی خوراک بھی ایک یا دو چمچہ ہوتی ہے جن سے سکر پیدا نہیں ہوتا لہٰذا اس کا بطور دوا استعمال جائز ہوگا۔

اور اگر بالفرض الکحل انگور کھجور منقا وغیرہ کے شیرہ سے بھی بنتی ہو تب بھی چونکہ اس کو جوش دے لیا جاتا ہے لہٰذا بطور دوا اس کا قلیل استعمال بھی جائز ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل ماقبل میں گزری۔

حضرت مفتی اعظم شاہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اس تحقیق کو اپنے الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں......

> "لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا ہے یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے یہی حکم اس تقدیر پر ہے جن پر بازق یا منصف یا نقیع زبیب و تمر سے بنائی گئی ہو اس لیے کہ

اس میں جوش دے دیا گیا ہے **لہٰذا** عامہ علماء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں ہے **کما صرحت من قبل** اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کون سی شراب سے بنی ہے تب بھی یہی حکم ہے

لقوله علیه السلام اذا کان احدکم فی الصلوٰة فوجد حرکة فی دبره احدث او لم یحدث فاشکل فلا ینصرف حتی یسمع صوتا او یجد ریحا رواه ابوداؤد وقال الفقهاء ان الیقین لا یزول بالشك والاصل فیء الاشیاء الحل والطهارة۔

(فتاویٰ مظہری، مرتب ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۲۹۰)